طاہر حنفی
یرغمالِ خاک

یرغمالِ خاک
الحمد لائبریری
فیس بک گروپ۔ کتابیں پڑھیے
سید حسین احسن
Imagitor

طاہر حنفی

یرغمالِ خاک
الحمد لائبریری
فیس بک گروپ۔ کتابیں پڑھیے
طاہر حنفی
سید حسین احسن
Imagitor

مثال پبلشرز
رحیم سینٹر، پریس مارکیٹ، امین پور بازار، فیصل آباد

اشاعت	:	2021ء
کتاب	:	یرغمالِ خاک
شاعر	:	طاہر حنفی
ناشر	:	محمد عابد
اعزازیہ پاکستان	:	800روپے
امریکہ	:	25 ڈالر
یورپ	:	25 یورو
برطانیہ	:	20 پاؤنڈ
مطبع	:	سلیم نواز پرنٹنگ پریس

Yarghamal-e-Khak

by

Tahir Hanfi
Cell: 0300-5013074

Edition : 2021

اہتمام

مثال پبلشرز رحیم سینٹر پریس مارکیٹ امین پور بازار فیصل آباد
+92-41-2615359- 2643841, Cell:0300-6668284
email: misaalpb@gmail.com

شوروم

صابریہ سینٹر، گلی نمبر 8، منشی محلہ، امین پور بازار، فیصل آباد

تمام ساکنانِ تہہِ خاک کے نام

مکینِ خُلدِ بریں

والدین حاجی شفیع محمد حنفی اور بیگم جمیلہ شفیع حنفی

جنت مکانی ریحانہ طاہر

سسر محترم سردار احمد بھٹّی اور خوش دامن بیگم رضیہ بھٹّی،

ہمشیرہ مسز شمیم منیر

برادران شاکر حنفی، ڈاکٹر طارق حنفی اور عامر حنفی

سوانحی خاکہ

- طاہر حنفی 26 نومبر 1955ء کو راولپنڈی میں پیدا ہوئے زمانہ طالبِ علمی سے شاعری میں دلچسپی رہی اور ہم نصابی سرگرمیوں میں باقاعدگی سے حصہ لیتے رہے۔
- عملی صحافت کا آغاز 1974ء میں کیا روزنامہ جنگ اور نوائے وقت کے علاوہ خبر رساں ادارے پی پی آئی سے منسلک رہے۔ 1983ء میں قومی اسمبلی پاکستان کے شعبہ تحقیق و تعلقاتِ عامہ میں بطور ریسرچ افسر ملازمت اختیار کی اور مختلف عہدوں پر ذمے داریاں ادا کرنے کے بعد 2015ء میں ایڈیشنل سیکرٹری کی حیثیت سے قومی اسمبلی سے ریٹائر ہوئے۔
- پنجاب یونیورسٹی لاہور سے 1981ء میں ایم اے سیاسیات اور 2007ء میں نیشنل ڈیفنس یونیورسٹی اسلام آباد سے ایم ایس سی ڈیفینس اینڈ اسٹریٹجک سٹڈیز کی ڈگریاں حاصل کیں اور ایشیا پیسفک سینٹر فار سیکورٹی سٹڈیز ہونولولو، ہوائی امریکہ سے 2004ء میں ڈیفینس اینڈ اسٹریٹجک سٹڈیز میں ڈپلومہ حاصل کیا۔ آپ برمنگھم یونیورسٹی برطانیہ میں 2008ء میں جمہوریت، قانون کی حکمرانی اور سیکورٹی امور میں شیوننگ فیلو رہے۔
- سرکاری فرائض کی انجام دہی، حصولِ علم کے لیے اور پارلیمانی امور کے بین الاقوامی تربیتی سہولت کار کی حیثیت سے دنیا کے پانچوں براعظموں کا دورہ کر چکے ہیں، اب تک طاہر حنفی کے چار شعری مجموعے منصۂ شہود پر آ چکے ہیں۔
- "شہرِ نارسا" کے نام سے پہلا شعری مجموعہ کلام اپریل 2014ء میں شائع ہوا جس کا دوسرا ایڈیشن صرف دو ماہ بعد جون 2014ء میں چھپا۔
- دوسرا شعری مجموعہ "گونگی ہجرت" ستمبر 2019ء میں اور تیسرا شعری مجموعہ "خانہ بدوش آنکھیں" اکتوبر 2020ء میں شائع ہوا۔
- زندگی کے 66ویں برس کی مناسبت سے 2021ء میں 66 اشعار، 66 غزلوں اور اتنی ہی نثری نظموں پر مشتمل چوتھا شعری مجموعہ "یرغمالِ خاک" اگست میں منظرِ عام پر آیا۔
- قومی اسمبلی کی 32 سالہ ملازمت میں قومی پارلیمانی تاریخ کے مدوجزر کے ایک عینی شاہد کی حیثیت سے انگریزی زبان میں مرتب کردہ یادداشتوں کو آخری شکل دینے میں مصروف ہیں۔
- پارلیمانی امور پر بین الاقوامی سہولت کاری میں پارلیمانی نگرانی اور بہتر طرزِ حکومت کے مسلمہ ماہر مانے جاتے ہیں اور مختلف ملکی وغیر ملکی اخبارات اور ٹی وی چینلز کے مستقل کالم نگار اور تجزیہ کار بھی ہیں۔

رابطہ فون: +92-300-5013074 ای میل: tahirhanfi@gmail.com

فیس بک: Tahir Hanfi ٹویٹر: TahirHanfi

فہرست

غزلیں

نظمیں

خاک کی دست درازی کا گواہ: طاہر حنفی

مٹی میں یوں نہ مٹی مِلا یرغمالِ خاک!!!!!!
ہاتھوں سے یوں نہ ہاتھ چھڑا یرغمالِ خاک

شائقینِ سخنِ اُردو! دسمبر 2019 سے تاریخِ عالم کا ایک اور دورِ ابتلا شروع ہوتا ہے جو میرے ان کلمات کی اشاعت (اگست 2021ء) تک اللہ کرے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو چکا ہو۔ اس عالم خوروبائے کرونا نے تمام انسانیت پر معاشی، سماجی، سیاسی اور ثقافتی اثرات یوں مرتب کیے کہ لگتا ہے پورے کرۂ ارض کو ایک اور جنم کے لیے تیار کیا جا رہا ہو۔ کرونا نے اجتماعی اور انفرادی سطح پر بنی نوعِ انسان کے ساتھ جو خون آشام کھیل کھیلا وہ کئی محاوروں، کہاوتوں اور تلمیحات کو تو اُردو ادب سے متعارف کرائے گا ہی لیکن ادب کی جملہ اصنافِ نظم و نثر پر بھی گہرے نقوش ثبت کرے گا۔ اللہ اس آزمائش کا کامل خاتمہ فرمائے۔ ایسے حالات میں عقل کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ مثبت، تعمیری اور تخلیقی طرزِ فکر و اظہار کو اپنایا بھی جائے اور اسے فروغ بھی دیا جائے۔

اسی تسلسل میں محترم دوست جناب طاہر حنفی نے اپنے چوتھے شعری مجموعے پر کام کر کے ایک ارفع مثال قائم کی۔ اتفاق سے جب میری نظر اس تحریر کی ابتدا میں لکھے شعر پر پڑی تو سوچا اسی کو اپنی گزارشات کے عنوان کے عین نیچے لکھنا مناسب ہوگا۔

جب ان کے ارسال کردہ مسودے کی قرات کی تو کئی مقامات پر ان کی طبیعت میں موجود رجائیت نے خاص طور پر متاثر کیا۔ مسودہ ارسال کرتے ہوئے انھوں نے یہ بشارت بھی دی کہ مجھے کچھ تقریظی الفاظ بھی رقم کرنے ہیں۔ احباب! سچ پوچھیں تو کسی بھی کتاب کے مطالعے کے بعد اس پر تبصرہ لکھنے کا کہا جائے تو یہ عمل باقاعدہ امتحان دینے کے مترادف ہوتا ہے۔ بہر حال طاہر صاحب سے دیرینہ شناسائی اور انکے خلوص کا وزن ہی اتنا ہے کہ سرِ تسلیم خم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ دکھائی دیا۔

مجموعے کا عنوان ''یرغمالِ خاک'' اپنی جگہ عمدگی و یکتائی کی ایک بڑی مثال ہے۔ اس سے پہلے کہ اس کے مشمولات پر کچھ عرض کروں، میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ایسے اہلِ سخن دوست سے شناسائی کا کچھ پس منظر بیان کردوں۔

زبان وادب اب برقیاتی وسائلِ تعارف واظہار سے مکمّل طور پر متعارف ہو چکے ہیں۔ فیس بک برقیاتی ابلاغ میں پہلے نمبر پر ہے اور میں اللہ کا شکر گزار ہوں کہ مجھ سے احقر کو اس نے ایسے ایسے قد آور اہلِ قلم سے ملوایا کہ پلٹ کر بیتے ہوئے سالوں پر نظر ڈالوں تو سب کچھ ایک خواب سا لگتا ہے۔ اسی فیس بک نامی مواصلاتی خاتون نے کئی ادبی فورمز کے سٹیشنوں سے گزار کر ''انحراف'' کی منزل تک پہنچایا جس سے برادرم رحمان حفیظ کا لازم وملزوم والا رشتہ ہے۔

محترم طاہر حنفی سے تعارف بھی مکرمی رحمان حفیظ کے توسط سے کچھ سال پہلے ہوا تھا اور تب سے اس رفاقت کو الحمد للہ مضبوطی ہی نصیب ہوئی ہے۔ طاہر حنفی صاحب خیر سے پہلے ہی شاعری کے تین مجموعوں کے خالق ہیں اور ''یرغمالِ خاک'' ان کا چوتھا مجموعہ ہے۔ امید ہے پہلے مجموعوں کی طرح ''یرغمالِ خاک'' بھی خوب پذیرائی پائے گا۔ اس شعری مجموعے کا سرسری مطالعہ کرتے کرتے کچھ دیر تو ہوگئی لیکن بفضلہٖ تعالیٰ مکمّل قرات کرنے کے بعد اس کے مشمولات پر کچھ لکھنے کے قابل ہوا ہوں۔ یہ ان کی اضافی محبّت کا ثبوت ہے کہ اپنے ایک تعارفی مضمون میں انھوں نے کئی ادبی میناروں کے تذکرے میں مجھ سے طالبِ علم کا ذکر بھی

اخلاص آمیز مبالغے کے ساتھ کر دیا۔ یہ ایک قرض ہے جسے اپنے تقریظی کلمات میں شامل کر کے ادا کرنا میرے لیے فرضِ عین ہے۔

احباب! شعر گوئی سے پہلے شعر فہمی کا طویل زینہ چڑھنا پڑتا ہے اور طاہر صاحب کے طرزِ سخن سے یہ اندازہ لگانا قطعی دشوار نہیں کہ وہ اس مرحلے کو بار بار طے کر چکے ہیں اور ان کے کلام میں طبعِ موزوں کی جھلک سے اس کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے۔ ان کی عملی زندگی کے تجربات، وسیع مطالعہ اور مشاہدۂ کائنات ان کے بیشتر اشعار سے اُڈتے نظر آتے ہیں۔ فیس بک پر بھی بارہا ان کی شاعری سے ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ اس سے بھی ان کی ادبی قامت کا پتا چلتا رہا ہے۔ ان کا ایک شعر ان کے تعارف کے لیے کافی ہوگا:

اتنی باتیں کافی ہوں گی!!!!!!!!!

ہم نے جو چپ رہ کے کر لیں

دلکش اسلوب اور سادہ لفظوں کے چناؤ کے ساتھ عمدہ شعر ایسے ہی کہا جاتا ہے۔ محولہ مجموعے میں کئی مقامات پر خود اعتمادی، صداقت میں ڈوبا اعترافی طرزِ اظہار اور چیلنج بھرے لہجے کے عناصر قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں اور پھر ایسے اشعار کی ذو معنویت خود اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچتی ہے:

یا نفرتوں کے ساتھ مجھے کر زمین بوس!!!!!!!!

یا اپنی خودسری مرے قدموں میں ڈال دے

ہم نے دل پر زخم کھائے ہر گھڑی

ہم نے اپنے دل کی مانی دور تک!!

''یرغمالِ خاک'' میں جا بجا ایسے اشعار ملتے ہیں جو سچائی کی مضبوط بنیادوں پر استوار کیے گئے ہوں:

شہر میں ایسا پھیلایا ہے سب نے خوف

ہم بھی اس سے ڈر جائیں تو اچھا ہے

یہ خوں کا تقاضا ہے کہ تجھ سا نہ بنوں میں
تو میری خموشی کو مرا ڈر نہ سمجھنا!!!!!!!!!

متذکرہ اشعار سے نہ صرف پختگی کا گہرا رنگ چھلکتا ہے بلکہ شاعر کی فطری انا اور عزتِ نفس بھی ابھرتے چلے آتے ہیں۔ عام طور پر انسان صرف عملی زندگی میں ہی اپنی خودداری اور انا کا مظاہرہ کرتا ہے لیکن اگر شاعر کو یہ صفات ودیعت ہوئی ہوں تو لامحالہ اور نہ چاہتے ہوئے بھی وہ انھیں منظوم کرتا چلا جاتا ہے۔ طاہر صاحب کا کیریئر ایسے اِداروں سے وابستہ رہا ہے جہاں یہ دستارِ خودتکریمی بہت زیادہ احتیاط مانگتی ہے اور شاید عشروں پر محیط یہی محتاط رویہ ان کے کلام میں ان کے لاشعور کی درزوں سے اپنا راستہ بناتا نظر آتا ہے۔ اپنے اس مشاہدہ آمیز دعوے کے ثبوت میں کچھ منتخب اشعار پیش کرتا ہوں:

مجھے ایسے بہادر کی ضرورت ہے جو مقتل میں
جوانمردی سے جاں دیتے ہوئے دھرتی پہ سر پٹخے

اس نے غربت میں کیسے گزارا کیا
جس نے ذرّوں کو چھو کر ستارہ کیا

ہمی میں حوصلہ ہے سچ کو کہنے جان دینے کا
جہاں کچھ کر سکو نہ تم وہاں پر ہم کو لے آؤ

حق کے رستے سے پلٹوں گا ہرگز نہیں
چھوڑ جائے مجھے دوست تو بھی بھلے

اب کچھ تذکرہ ان روایتی مگر ابدی اور آفاقی مضامین کا ہوجائے جو شاعری کے قالب میں خون بن کر دوڑتے ہیں۔ معاملہ بندی، عشق، محبوب کی بے نیازی و بے اعتنائی اور عاشق کے بھی کر گزرنے کے دعوے وغیرہ۔

یاد رہے فیض نے یہ نہیں کہا تھا:

اور ’’ہی‘‘ دکھ ہیں زمانے میں محبّت کے سوا

گویا فیض نے بھی اعتراف تو کیا کہ بڑا دکھ تو مرضِ عشق ہی ہے۔ اگر ہم کسی بھی دور کی شاعری سے ان خالصتاً جمالیاتی موضوعات و مضامین کو خارج کر دیں تو شاید تمام شاعری کلیاتِ میر کے حجم کے برابر ہی رہ جائے گی۔ سو طاہر حنفی اس میدان میں اسپِ تخیّل و قلم کیوں نہ دوڑاتے؟ اس معاملے میں ان کی شاعری احتیاط و بے تکلفی کا امتزاج پیش کرتی ہے جبکہ کہیں کہیں تذبذب، پشیمانی اور طویل ہجر سے پیدا شدہ خلش اور بیزاری شعروں کی قوسِ قزح کے رنگ بن کر تنوع کی فضا پیدا کرتے ہیں۔ گلہ، شکوہ، احسانمندی، احسان جتانا، خودسپردگی اور عدم تیقّن جو ایسے موضوعات کے اجزائے لاینفک ہوتے ہیں، ’’یرغمالِ خاک‘‘ کی غزلوں میں بکثرت دستیاب ہیں۔ کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں:

مسکرا کر اپنے ہاتھوں سے اسے رخصت کیا
جو نہیں تھا بس میں وہ ہم کو مگر کرنا پڑا!!!!!

اگر چاہو تو کچھ دن کے لیے ہم بات کر لیں گے
تمھارے نام لیکن زندگی ساری نہیں کرتے

خلد میں جانا ہے راستہ چاہیے
یعنی ہم کو ترا نقشِ پا چاہیے

اگر چاہو تو سب کردار واپس موڑ دیتے ہیں
وگرنہ اس کہانی کو یہیں پر چھوڑ دیتے ہیں

طاہر صاحب نے اسی مجموعے میں غزل جیسی لازوال صنف کے گھنے سائے میں نثری نظم، جسے اپنی شناخت کے لیے غیر معمولی جدو جہد کرنا پڑی، کے کئی قد آور درخت بھی لگا

کر مجھے خاصا حیران کیا۔ ایسی شعری کاشتکاری کی تاثیر بھی قاری کے لیے اشتہا انگیز خوانِ فکر سے کم نہیں۔ بہت سی نظموں کو بقلمِ شاعر پڑھنے کا لطف بھی کشید کیا۔ احبابِ گرامی! روایتی نظم سے اقتباس پھر بھی قدرے سہل ہے لیکن نثری نظموں سے اقتباسی سطور پیش کرنا واقعی کارِ دشوار ہے۔ بایں ہمہ کاوشِ بسیار سے کچھ نہ کچھ نقل کرتا ہوں:

نظم ''شناخت؟'':

اماوس کی کالی رات میں
چمکتی ہوئی بے زباں خامشی

نظم ''سنگِ خاموش'':

ہمیں نہ تو گزری ہوئی کل کا احساس ہے
نہ ہی آنے والی کل نے ہمارا کچھ بگاڑا ہے

نظم ''تہی داماں'':

مردہ سوچوں کے خوشنما کفن
ہماری آنکھوں میں موتیا اتارتے ہیں

دیگ کے یہ چند دانے کسی بھی جہاں دیدہ قاری اور بیاں دیدہ مبصر و ناقد کے لیے پورے طعام کا لذت بھرا ذائقہ جانچنے کے لیے کافی ہیں۔

اللہ تعالیٰ طاہر حنفی صاحب کو ایسے عمدہ شعری تجربات کرنے اور مزید مجموعہ ہائے کلام کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔

یکم اگست ۲۰۲۱ء

ڈاکٹر محمد افتخار الحق

لاہور

طاہر حنفی — ایک بالغ نظر شاعر

طاہر حنفی کو مَیں گزشتہ نصف صدی سے جانتا ہوں۔ گارڈن کالج سے بی ایس سی کے بعد جب مَیں نے گورنمنٹ کالج اصغر مال، راولپنڈی میں ایم ایس سی (ریاضی) میں داخلہ لیا تو شعروشاعری کا پانچ سالہ پرانا ذوق، شوق کی نئی حدیں پھلانگنے لگا اور نصابی سرگرمیوں کے علاوہ کالج کی ادبی تقریبات میں شمولیت معمول بنتی چلی گئی۔ اِس دوران دیگر نوجوان لکھنے والوں کے ساتھ طاہر حنفی سے بھی ملاقات ہوئی جو میٹرک کے بعد کالج میں تازہ تازہ وارد ہوا تھا۔ کالج کے ماحول میں تو اُس سے دو برس ہی رفاقت رہی لیکن ان دو برسوں نے ہی ایسی گہری دوستی کی بنیاد رکھ دی کہ آج تک اس میں رخنہ نہیں آیا۔ کالج سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد مجھے ایک وزارت میں سرکاری نوکری مل گئی اور طاہر حنفی نے میدانِ صحافت کا رُخ کیا۔ بعدازاں اُس نے سیاسیات میں ماسٹرز کر کے قومی اسمبلی کی ملازمت اختیار کی جہاں فرائضِ منصبی نبھاتے ہُوئے اُسے دُنیا بھر میں گھومنے کے مواقع میسر آئے۔

اُس کی ادبی زندگی کا زمانہء آغاز ۱۹۷۰ء ہے۔ اس کی ابتدائی شاعری انفرادی جذبات کا سچا اور کھرا اظہار ہے کہ یہ زمانہ کسی فکری اسلوب وضع کر لینے یا کسی آفاقی اِمکان کو چُھو لینے کی بجائے سیدھے سادے باطنی تحرک کے جلو میں آگے بڑھنے کو ترجیح دیتا ہے، تاہم رفتہ رفتہ اُس کی شاعری میں سماجی اور تہذیبی رویوں کی شمولیت نے زندگی میں

در آنے والی شکست و ریخت کی داستانوں کو بھی سمیٹنا شروع کر دیا اور وہ تخلیقی طور پر اپنے عصر سے بتدریج جڑتا چلا گیا۔ اُس کے شعری سفر کی ابتدا تو ستر کی دہائی میں ہوئی لیکن اُسے پہچان اسّی کی دہائی نے مہیا کی۔ اِسی دہائی میں اُس نے اپنی بات کو مناسب شعری پیراہن مہیا کرنا اور اپنے مشاہدات کو دوسروں کے ذہن میں منعکس کرنے کا ہنر سیکھا۔ گویا یہ دہائی اُس کا تربیتی زمانہ تھا جس کی مسافت اُس نے نہایت خوش اسلوبی سے طے کی۔ اِسی دَور نے اُس کو تازہ کاری اور نئے پن سے متعارف کرایا۔ یہی وجہ ہے کہ اُس کی شاعری اپنے آغاز سے ہی بوسیدگی کا شکار نہیں ہُوئی اور مانوس اور نامانوس کی سرحدوں کو غیر محسوس طریقے سے آپس میں جوڑنے کی سعی کرتی نظر آتی ہے۔

طاہرؔ حنفی کی غزل میں اُس کا مخصوص طرزِ اظہار تشکیل پا رہا ہے۔ وہ نہ صرف اپنے شعری مجموعوں کے ناموں سے مختلف نظر آتا ہے بلکہ اپنے شعری پیرایوں میں بھی تقلید اور خوشہ چینی سے انحراف کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اُس کے اوّلین رومانی طرزِ بیان میں تفکّر کی لہریں عجب رنگ پیدا کرنے لگی تھیں اور اَب وہ ایک بالغ نظر شاعر کی حیثیت سے معاملاتِ ہست و بود کی تشریح و تفہیم پر قادر ہوتا جا رہا ہے اور زندگی کی گوناگوں جہات اُس پر واضح ہونے لگی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اِن جہات پر دُور تک نظر ڈالنے کی سعی میں اُسے صرف غزل کا ڈھانچہ ناکافی محسوس ہو رہا ہے، سو وہ دنیائے نامعلوم کی کھوج میں غزل کے اُڑن کھٹولے پر بیٹھتا ہے اور کبھی نظم کے جادوئی قالین پر۔ یوں وہ روایت کی سرزمینوں سے جدت کی فضاؤں تک ایک ساتھ اُڑان بھرتا ہے۔ میری دعا ہے کہ اُس کی پرواز ہمیشہ بلند سے بلند تر ہوتی رہے۔

یکم اگست ۲۰۲۱ء

خاور اعجاز

اسلام آباد

نعت رسول مقبول ﷺ

طلب میں آپ ﷺ سے، کیا کیا ہوا نصیب مجھے
ملی بہت سی جگہ روضے کے قریب مجھے

لگایا آنکھ میں اس کو بصیرتوں کے لیے
ہوئی ہے خاکِ مدینہ بھی کیا طبیب مجھے

جو سوچا آپ ﷺ کے بارے میں با وضو ہو کر
وہیں پہ دید ہوئی آپ ﷺ کی نصیب مجھے

مرے حضور ﷺ یہی ہے مقامِ شکر ہزار
بنایا آپ ﷺ کی مدحت نے ہی ادیب مجھے

مرے حضور ﷺ کرم ہے خدا کا طاہر پر
کمال لطف سے تکتے ہیں اب خطیب مجھے

O

توڑے تھے ہم نے جو، اسی جنگل میں رہ گئے
چاہت کے ذائقے بھی اسی پھل میں رہ گئے

انگڑائی برگِ نو نے جونہی لی تھی آنکھ میں
دکھ ہجرتوں کے یار کے آنچل میں رہ گئے

تعبیر جن کو ایک میسر نہ آ سکی
کیا خواب تھے کہ جو اسی کاجل میں رہ گئے

دھرتی پہ محوِ رقص ہیں، بارش کے ساتھ آج
کچھ آنسوؤں کے عکس جو، بادل میں رہ گئے

جن کے لیے سکون کی نیندیں تیاگ دیں
وہ خواب آنے والے کسی کل میں رہ گئے

ایسے جکڑ لیا ہمیں دھرتی کے سحر نے
طاہر! تمام عمر ہم اس تھل میں رہ گئے

O

اب ہے دریا کی روانی دور تک
آ گیا صحرا میں پانی دور تک

ہم نے دل پر زخم کھائے ہر گھڑی
ہم نے اپنے دل کی مانی دور تک

کر دیا تم نے تعلّق منقطع
پہنچے گی اب یہ کہانی دور تک

چاند اترا ہے کہیں دھرتی پہ کیا؟
ہے غضب کی ضوفشانی دور تک

اس نے ہاتھوں میں سدا رکھا تھا ہاتھ
اس نے کی تھی مہربانی دور تک

طاہر! اب اس کو خدا حافظ کہو
آ گئی ہے زندگانی دور تک

○

خون سے آنکھیں بھر جائیں تو اچھا ہے
آج کے دن ہم مر جائیں تو اچھا ہے

اس کی آنکھ میں دیکھ سکیں گے آنسو کیا؟
ہم اس کھیل میں ہر جائیں تو اچھا ہے

شہر میں ایسا پھیلایا ہے سب نے خوف
ہم بھی اس سے ڈر جائیں تو اچھا ہے

اپنی قسمت میں تو خیر اندھیرے ہیں
شہر کو روشن کر جائیں تو اچھا ہے

شہر میں چاروں جانب خوف کا پہرا ہے
ایسے میں ہم گھر جائیں تو اچھا ہے

طاہرؔ شاید بات ہماری بن جائے
یار کی چوکھٹ پر جائیں تو اچھا ہے

O

اس شخص کو انصاف کا پیکر نہ سمجھنا
جو چاہے تجھے اپنے برابر نہ سمجھنا

تقدیر ترے ہاتھوں کی حرکت میں چھپی ہے
حالات کی گردش کو مقدر نہ سمجھنا

یہ خوں کا تقاضا ہے، کہ تجھ سا نہ بنوں میں
تو میری خموشی کو مرا ڈر نہ سمجھنا

جھوٹا ہے بلا کا، اسے کب فہم و فراست؟
تو اس کو کسی طور سخن ور نہ سمجھنا

طاہر اسے اس دل میں سدا رکھا ہے ہم نے
جس شخص کا اس دل کو کبھی گھر نہ سمجھنا

○

منقطع ایسے تعلّق کو کیا ہے اس نے
یاد کرنے کا بھی حق چھین لیا ہے اس نے

گو محبّت بھری اک شام نہیں دی مجھ کو
اپنی یادوں کا خزانہ تو دیا ہے اس نے

لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کے نشاں کہتے ہیں
مے نہیں پی ہے، مگر کچھ تو پیا ہے اس نے

اب اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے مجھے
اس طرح سے مری آنکھوں کو سِیا ہے اس نے

میں نے اس درجہ اسے پیار کیا ہے طاہرؔ!
زیست میری تھی، مگر اس کو جیا ہے اس نے

○

جسے تو عرش پر لے جا کے واپس فرش پر پٹخے
وہ بندہ کس طرف جائے کہاں پر اپنا سر پٹخے

مجھے ایسے بہادر کی ضرورت ہے، جو مقتل میں
جواں مردی سے جاں دیتے ہوئے دھرتی پہ ڈر پٹخے

وہ کیسی دلنشیں ہوگی وہ کیسی مہ جبیں ہو گی
نظر جس کی ہزاروں دل، اِدھر پٹخے، اُدھر پٹخے

جو ہم پر پیش آنی تھی، وہ ہم پر آ گئی کب کی
اسے کہہ دو نہ چیخے وہ، نہ اب زیر و زبر پٹخے

ہیں مثلِ آئنہ نازک مگر اس کو اجازت ہے
ہمارے جسم کو چاہے وہ جیسے خاک پر پٹخے

وہاں آسیب رہتے ہیں، جہاں ہر اک مسافر کی
ہوائیں دھڑکنیں روکے، اٹھا کر رہگذر پٹخے

جسے تو اپنا کہہ کر بھی نہ اپنا ہونے دے طاہرؔ!
تری چوکھٹ پہ سر اپنا وہ کیسے عمر بھر پٹخے

○

اس نے غربت میں کیسے گزارہ کیا
جس نے ذرّوں کو چھو کر ستارہ کیا

کیسا انسان تھا ، جس کو تقدیر نے
ناں ہمارا کیا ، ناں تمھارا کیا

دل کسی اور ہی سمت جانے کو تھا
ہم نے رکنے کا اس کو اشارہ کیا

اس کی آنکھوں میں دانستہ جھانکا نہیں
اس سمندر سے ہم نے کنارہ کیا

ہم نے آنکھیں لٹا دیں ترے خوابوں میں
تجھ کو آنکھوں سے بھی ہم نے پیارا کیا

کیوں نہ صدقے میں ہو جاؤں اس شخص پر
ہم سے لوگوں کو جس نے گوارا کیا

دل کا سودا ہمیں کافی مہنگا پڑا
عشق میں ہم نے کافی خسارہ کیا

سانس کو جب ہواؤں سے تشبیہ دی
جسم کو اپنے ، ہم نے سہارا کیا

تب سے آنکھیں ہماری چکا چوند ہیں
برق چمکی ، کچھ ایسا نظارہ کیا

کافی مہنگا پڑا تجربہ یہ ہمیں
عشق تم سے کیا اور دوبارا کیا

خلد کے خواب ہوں کیوں نہ اس آنکھ میں
نام جس کے زمانہ یہ سارا کیا

اب نہ بچ پایا تو ، یہ ہے تیرا نصیب
طاہرؔ! اس نے تو اپنا سا چارہ کیا

O

ریشمی دیوار پر ، سات رنگی تتلیاں
دیکھ اس رخسار پر ، سات رنگی تتلیاں

گلستاں میں پھولوں کے ساتھ محوِ رقص ہیں
آج میری ہار پر ، سات رنگی تتلیاں

خوں سے تر کپڑے مرے، ساتھ میرے کرنا دفن
آئیں گی اصرار پر سات رنگی تتلیاں

کاغذی پھولوں میں بھی وہ کشش رکھی گئی
آ کے بیٹھیں کار پر سات رنگی تتلیاں

میں نے اپنے سر سے جب اس کے سر پر رکھی تو
سج گئیں دستار پر سات رنگی تتلیاں

خوں سے تر خنجر لیے وہ بھی طاہر! رو دیا
جس کی بیٹھیں دھار پر سات رنگی تتلیاں

حوصلہ خود کو میں اب اور تو کیا دیتا ہوں
ٹیس جب اٹھتی ہے دل میں تو دبا دیتا ہوں

زخم وعدوں کا تُو ہر بار نیا دیتا ہے
اور ہر بار میں پچھلے کو بھلا دیتا ہوں

میرے دشمن ! مجھے جینے کا دیا تو نے عزم
میں اسی واسطے تجھ کو بھی دعا دیتا ہوں

مسکرانا بھی کوئی بات ہے ، اس محفل میں
میں تو ہنس کر بھی وہاں خود کو رلا دیتا ہوں

تو تو اپنا ہے، مرے اپنوں سے بڑھ کر ہے عزیز
میں تو غیروں کو بھی جی بھر کے دُعا دیتا ہوں

اب اذیت سہی جاتی نہیں مجھ سے طاہرؔ!
ایک خط تیرا میں اب روز جلا دیتا ہوں

O

پڑا ہے کام پھر سے، میری چشمِ نم کو لے آؤ
مجھے خود کو رلانا ہے تم اس کے غَم کو لے آؤ

ہمی میں حوصلہ ہے سچ کو کہنے، جان دینے کا
جہاں کچھ کر نہ پاؤ تم، وہاں پر ہم کو لے آؤ

میں اپنے غم کو، اپنے دردِ دل کو لے کر آتا ہوں
مقابل اس کے، تم چاہو تو دو عالم کو لے آؤ

نئے اظہار سے، پاکیزگی کی پھر ضرورت ہے
کسی تصویر میں پھر سے رخِ مریم کو لے آؤ

خدا کی سمت سے دونوں کو اب القاب ملنے ہیں
ادھر شیطاں کو لے آؤ، ادھر آدم کو لے آؤ

مجھے رونا ہے طاؔہر اب کسی کے ہجر میں اکثر
جو میرا ساتھ دے ،ایسی شبِ ماتم کو لے آؤ

○

آدھے خود رکھے اور آدھے بھیج دیے
اس نے پیسے مانگے، میں نے بھیج دیے

میں نے اس کو تحفے بھیجے شہر سے اور
اس نے مجھ کو گاؤں سے وعدے بھیج دیے

جو دنیا میں خون سے پیاس بجھاتے ہیں
مولا! کیسے لوگ یہ تو نے بھیج دیے

میں نے اس کو خون سے لکھے تھے کچھ خط؟
اس نے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بھیج دیے

اس نے سب سونے سے بھر کر بھیجے تھے
میں نے توڑ کے ، واپس کاسے بھیج دیے

توڑ کے وعدے بھیجے گا معلوم تھا یہ
اس نے لیکن وقت سے پہلے بھیج دیے

کیسے ان کو سہہ پاؤں گا طاؔہر میں؟
اس نے پھر ہجرت کے صدمے بھیج دیے

O

سانسوں کا چکھا لمس محبّت کے لہو نے
آنکھوں کو کہیں قید کیا تاب نمو نے

نفرت اسے لے آئی تھی اک ایسی جگہ پر
دل چیر کے دکھلا دیا خود میرے عدو نے

برسوں کی ریاضت کا ثمر خوب دیا ہے
مسمار گھروندا کیا کل رات کو تو نے

جس روز سے رخصت وہ ہوا ہے، مرے گھر سے
نیندیں ہیں پریشان تو سب خواب ہیں سُونے

چھوڑوں نہ اس کا ہاتھ میں طاؔہر تمام عمر
وہ کاش کہ اک بار تو دے ہاتھوں کو چُھونے

تھا تو ماحول ، پر تو نے پی تو نہیں
یعنی کل شب خطا کوئی کی تو نہیں؟

جس کو غم کا ، خوشی کا نہ احساس ہو
وہ ہے پتھر کوئی آدمی تو نہیں

رات بھر جاگتا ہے تو کس کے لیے؟
رتجگوں سے تری دوستی تو نہیں؟

تیری وہ یاد ، اس کا سہارا تھی جو
اس سے تو نے کہیں چھین لی تو نہیں؟

اجنبی بن کے کیوں دیکھتے ہو مجھے
تم مرے واسطے اجنبی تو نہیں

کیوں مجھے دیکھ کر پھیر لیتی ہے منہ
موت مجھ کو کہیں جانتی تو نہیں؟

اس کو چاہیں، جو اس کے پرستار ہوں
ہم ہی طاہرؔ! وہ شخص آخری تو نہیں

O

کاٹ لوں گا اذیت کے سب مرحلے
موت کو میں لگاؤں گا اب کے گلے

حق کے رستے سے پلٹوں گا ہرگز نہیں
چھوڑ جائے مجھے دوست ! تو بھی بھلے

میرے جیسا اکیلا ہے یہ چاند بھی
میرے گھر میں اتر آتا ہے، شب ڈھلے

ظلمتِ شب سے لڑنے کی خاطر یہاں
جیسے تیسے سہی ، کچھ دیے تو جلے

فکر و درد و الم سے ملے گی نجات
جا کے سونا ہے جس روز مٹی تلے

اب ہیں طاہرؔ! سفر میں مرے ساتھ ساتھ
درد و غم کے اذیت بھرے قافلے

○

خدا مجھ سے ہے کچھ خفا آج بھی
نہیں میری سنتا ، دعا آج بھی

تو بس ایک بار آزما تو سہی
یہ ہو جائے گا دل فنا آج بھی

قیامت تلک لوگ رہ جائیں دنگ
کوئی حشر ایسا اٹھا آج بھی

اگرچہ کہیں جان و دل دے چکا
ہوں اس کی نظر میں برا آج بھی

کسی اور پر پھر ہو کیا اعتبار
ہوا تلخ اک تجربہ آج بھی

ہے اِک سحر طاہرؔ سخن میں ترے
تو اپنا ہنر آزما آج بھی

پریشاں کس لیے ہو تم؟ مجھے کچھ بھی نہیں ہونا
زندہ ہوں ابھی ، تیرا ابھی بنتا نہیں رونا

کسی کی منتیں کرنے کی تم کو کیا ضرورت ہے؟
یہ دل اور جان حاضر ہے، وفائیں مجھ سے لے لونا

مری خاطر تم آنکھوں میں لیے کیوں نیند بیٹھے ہو؟
مجھے ہے رات کے پچھلے پہر جا کر کہیں سونا

مری ویران آنکھوں کو تمھارا سامنا ہو جائے
فقط اک بار آ جاؤ ، یہی احسان کر دو نا

جو آنکھوں سے نکلنے ہیں، وہ نکلے ہیں، مگر طاہر
لہو کے داغ ہیں جتنے، اکیلے میں انھیں دھونا

O

امتحانِ صبر تھا، سو در گزر کرنا پڑا
جو نہ ہو سکتا تھا، ایسے گھر کو گھر کرنا پڑا

رات کے پچھلے پہر جب بھی سفر کرنا پڑا
مجھ کو اپنے راستے کو مختصر کرنا پڑا

مسکرا کر اپنے ہاتھوں سے اسے رخصت کیا
جو نہیں تھا بس میں ، وہ ہم کو مگر کرنا پڑا

اس کے، اپنے درمیاں میں، کھینچ دی پھر سے لکیر
ہم کو دو ٹکڑے بالآخر یہ شجر کرنا پڑا

روتے روتے رات کے پچھلے پہر مانگی دعا
میرے ہر اک لفظ کو آخر اثر کرنا پڑا

آ رہی تھی یاد اس کی ہم کو طاہرؔ! رات دن
اس لیے بھی ہم کو اپنا دیدہ تر کرنا پڑا

○

وفا کا نام لیتے ہیں، وفاداری نہیں کرتے
وہ غم پر غم تو دیتے ہیں، پہ غم خواری نہیں کرتے

ہوس دل میں چھپی ہوتی ہے، سر پر ہاتھ رکھتے ہیں
دکھاوا کرتے ہیں، مفلس کی دلداری نہیں کرتے

ہمارے دل میں جو ہوگی، وہی چہرے پہ ہوتی ہے
ہمیں کرنی نہیں آتی، اداکاری نہیں کرتے

مگن ہو حال میں ایسے، کہیں جانا نہیں جیسے
مسافر ہو، سفر کی پھر بھی تیاری نہیں کرتے

اگر چاہو تو کچھ دن کے لیے ہم بات کر لیں گے
تمھارے نام لیکن زندگی ساری نہیں کرتے

مری آنکھوں میں آ کر جو نمی بھر دیتی ہیں طاہرؔ
سو وہ کیفیتیں اب خود پہ ہم طاری نہیں کرتے

○

ایک بیوہ کو، خلقِ خدا ! چاہیے
ننگا سر ڈھانپنے کو ردا چاہیے

خلد میں جانا ہے، راستہ چاہیے
یعنی ہم کو ترا نقشِ پا چاہیے

جس کے آنے سے میرے مہک اٹھیں ہاتھ
ہاتھ ہاتھوں میں وہ پھول سا چاہیے

مجھ کو دنیا سے کوئی غرض اب نہیں
اے خدا بس ترا آسرا چاہیے

تھک چکے ہیں ہواؤں سے لڑتے ہوئے
ٹمٹماتے دیوں کو بقا چاہیے

کچھ نہیں چاہیے اور احباب سے
مجھ کو بس ان کی طاہرؔ دُعا چاہیے

○

اگر چاہو تو سب کردار واپس موڑ دیتے ہیں
وگرنہ اس کہانی کو یہیں پر چھوڑ دیتے ہیں

کوئی اپنا ہو یا بیگانہ، وہ کم ظرف بن جائے
کسی قابل نہیں رہتا ، اسے ہم چھوڑ دیتے ہیں

چلن ہے یہ زمانے کا، نکل جاتا ہے جب مطلب
تعلّق جس قدر بھی ہو پرانا ، توڑ دیتے ہیں

اُداسی، بے بسی، بے چارگی، جن میں اذیت ہو
یہ منظر جب نظر آئیں، ہمیں جھنجھوڑ دیتے ہیں

جواس کی ریزہ ریزہ کر کے تصویریں، ہو مشکل میں
فسردہ چھوڑ دو ہونا ، اُنھیں ہم جوڑ دیتے ہیں

مرے طاہرؔ! اگر اِن سے اُنھیں اتنی شکایت ہے
نہ دیکھیں گے کبھی ان کو، ہم آنکھیں پھوڑ دیتے ہیں

○

اپنی اوقات میں رہنے کا ہنر آتا ہے
گھر سے پاؤں جو نکالوں تو سفر آتا ہے

دن کو کٹنے کے لیے دھوپ میں رکھ دیتا ہوں
چپ میں لپٹا ہوا، پر شام کو گھر آتا ہے

پھول بانٹوں تو تمازت مجھے مل جاتی ہے
ورنہ نظروں کو نظر دیدۂ تر آتا ہے

میرے لفظوں کی نہیں ہے یہاں وقعت کوئی
مجھ سے مفلس کی دعا میں کب اثر آتا ہے؟

یا تو اک درد کا سیلاب ہے یا تنہا چاند
کون ہے، رات کو جو پچھلے پہر آتا ہے؟

کس سے میں بات کروں اپنے علاوہ طاہرؔ!
مجھ کو خود میرا کہیں دور نظر آتا ہے

O

مٹی میں یوں نہ مٹی ملا یرغمالِ خاک!
ہاتھوں سے یوں نہ ہاتھ چُھڑا یرغمالِ خاک!

زنداں میں دیکھا رقص نگہ کم نگاہی بس
سُر سے تو تال آ کے ملا یرغمالِ خاک

کر لوں گا میں کنارہ کشی ہر نگاہ سے
کر دے نگاہِ یار فدا یرغمالِ خاک

سانسیں کسی کے ہاتھ میں گروی ہیں میری دوست
کر میرے واسطے تو دُعا یرغمالِ خاک

تا عمر دیکھ پائے نہ دنیا کی روشنی
طاہر کو اس طرح نہ بنا یرغمالِ خاک

○

بات تو مشکل ہے لیکن، بھول جانا چاہیے
عکس ان کا اب تصور میں نہ آنا چاہیے

اب نہ کی جائے کسی بھی بات پر آہ و فغاں
اب اگر وہ زخم دے تو مسکرانا چاہیے

ناقص و لاچار کو بھی ہے یہاں فکرِ معاش
پیٹ کے دوزخ کی خاطر کچھ تو آنا چاہیے

ایک عرصے بعد میرے گھر ہوئے مہمان وہ
آج کے دن ان کو پلکوں پر بٹھانا چاہیے

یا مجسّم کیجیے تجھ کو تصور میں کہیں
یا تری تصویر کو کمرے میں لانا چاہیے

عمر طاہرؔ! ہو گئی ہے، خود سے ہی روٹھے ہوئے
آج اپنے آپ کو پھر سے منانا چاہیے

○

پھر کبھی اترے نہ اس پر رات ظلم و قہر کی
کر رہا ہوں، کبریا سے بات اپنے شہر کی

درد اس کا گھل گیا ہے، خون میں کچھ اس طرح
اس کو اب حاجت نہیں ہے آنسوؤں کے زہر کی

خودکشی کا ہو سکا، ناں ہم کو ہی ہونے دیا
ہم کہانی کیا سنائیں اس دلِ بے مہر کی

لوگ ڈھلتے جا رہے ہیں، پتھروں کی شکل میں
وہ چھڑی ہاتھوں میں تھامے پھر رہا ہے سحر کی

جو بھی ہو مخلص، دغا، طاہرؔ! اسی سے کیجیے
اس کو ہی اپناتے ہیں سب، رسم ہے یہ دہر کی

O

اور کوئی نہ اب امتحاں دیجیے
جو نہ سچ کہہ سکے ، وہ زباں دیجیے

درد آنکھوں کے رستے نکالوں گا میں
میری کشتی کو آبِ رواں دیجیے

اس چمن کے ، مگر پھول مرجھائیں گے
آپ بے شک نہ اس کو خزاں دیجیے

اپنے مرنے کا خود ہی منانا ہے غم
میرے ہونٹوں کو آہ و فغاں دیجیے

اب زمیں پر گزارا ، ہمارا نہیں
ہم کو رہنے کو اب آسماں دیجیے

کیجیے ہم سے لوگوں پہ طاہر! کرم
بارشوں کو نہ کچا مکاں دیجیے

O

خاک ہو کر، اسے حسن آرا کیا
اس نے جیسے بھی چاہا ، گزارا کیا

جاؤ ، مقتل کو رنگین کر دیں گے ہم
جاؤ ، یہ کام ہم نے تمھارا کیا

''چاند چہرہ'' ہے کہلانے کا حق اسے
جس کی آنکھوں کو رب نے ستارہ کیا

اتنے مجبور تھے ، کچھ نہیں پوچھیے
بات کیا ، تلخ لہجہ گوارہ کیا

اک اشارے پہ تیرے کٹایا ہے سر
جان کو اپنی کب ہم نے پیارا کیا

اس کا ہم بن گئے آسرا شہر میں
جس نے طاہرؔ ہمیں بے سہارا کیا

اے کاش اس سے ہم کو محبّت نہ ہو کبھی
اپنے کیے پہ جس کو ندامت نہ ہو کبھی

ہوں درمیاں دُوریاں ہم کو قبول ہیں
ان دُوریوں کے شہر میں نفرت نہ ہو کبھی

اے کاش اس مقام پہ لائے نہ زندگی
اے کاش ہم کو تیری ضرورت نہ ہو کبھی

آنکھوں میں تیرا عکس ہو اور تیرے اس طرح
آنکھوں کو آنسوؤں کی بھی حاجت نہ ہو کبھی

گمنامیوں میں ایسے نہاں تھا سکونِ دل
اب دل یہ مانگتا ہے کہ شہرت نہ ہو کبھی

طاہرؔ ! مجھے بچائے خدا ایسے شخص سے
دل میں کسی کے واسطے عزت نہ ہو کبھی

○

یوں دل سے دل کی چاہت ہو، محبّت راس آجائے
مجھے ان کی، انھیں میری طبیعت راس آ جائے

کہ پہلی، دوسری صف سے نکل کر تیسری میں ہیں
ہمیں آتی نہیں لیکن یہ شہرت راس آ جائے

تڑپتا ہوں اکیلے میں، وہ جب بھی یاد آتے ہیں
مجھے اب یاد کرنے کی یہ شدت راس آ جائے

اٹھوں گا، گر پڑوں گا، گر کے پھر اٹھ کر کھڑا ہوں گا
مجھے یہ گرنے اور اُٹھنے کی ہمت راس آ جائے

ہمیں کیا فرق پڑتا ہے وہ آئیں یا نہ آئیں اب
بس ان کو یاد کرنے کی یہ راحت راس آ جائے

ہم ان کی بزم میں طاہرؔ! چلے تو آئے ہیں لیکن
دعا مانگو کہ اب ان کی یہ صحبت راس آ جائے

O

جو کچھ بھی سمجھ پر میں محبّت ہوں مرے دوست
دل میں ترے شریانِ حقیقت ہوں مرے دوست

کس واسطے قربت سے گریزاں ہے مری تو
کیا تیرے لیے عہدِ مصیبت ہوں مرے دوست؟

دیکھیں گے مجھے لوگ کسی اور نظر سے
جلتے ہوئے صحراؤں کی صورت ہوں مرے دوست

کر کر کے جسے یاد یہ روئے گا زمانہ
میں پیار کی دنیا میں وہ آیت ہوں مرے دوست

طاہر وہ کرے لاکھ مداوا پہ جہاں میں
میں سب کے لیے باعثِ عبرت ہوں مرے دوست

میرے لہجے سے المناک صدائیں نکلیں
تیرے آنچل کی عقیدت سے خطائیں نکلیں

جا کے پھر قرب کے ہونٹوں سے دعائیں نکلیں
چاپ میں ہجر کی کتنی ہی صدائیں نکلیں

وہ کہ جس شخص کے ہاتھوں سے شفا ملتی تھی
ہائے اس شخص کے گاؤں سے وبائیں نکلیں

اتنی یلغار درندوں کی ہوئی مقتل میں
خون میں لتھڑی ہوئی کتنی قبائیں نکلیں

میں نے جس شخص کی مشکل میں مدد کی اکثر
اس کے دل سے میری خاطر بھی دعائیں نکلیں

اس قدر خون بہا تھا کہ زمیں سرخ ہوئی
کتنی کشمیر سے روتی ہوئی مائیں نکلیں

کن کی چیخیں تھیں، گئیں رات کو جو عرش تلک؟
چیتھڑے، چیتھڑے، کن کی یہ ردائیں نکلیں

جلتا رہتا یہ دیا کیسے سحر تک طاہرؔ!
میری دشمن میرے خود گھر کی ہوائیں نکلیں

کس نے پوچھا کس منہ زور جوانی کو؟
وقت نے خود ہی لکھا عشق کہانی کو

شہر کو آگ لگانے والے رہبر نے
گھر میں قیدی کر رکھا تھا پانی کو

تیری زبان کی لکنت ہے اب حال ترا
مت رو اپنی گزری شعلہ بیانی کو

مجھ کو مت الزام دے کوئی غفلت کا
دل میں سنبھال رکھا ہے تیری نشانی کو

طاہر ! گر جینا ہے تجھ کو دنیا میں
نوچ کے پھینکو آنکھوں سے حیرانی کو

O

تماشا ختم ہوا اے تماشا گر! خاموش
کہ موت سامنے ہے اب تو میرے ڈر! خاموش

فلک کے چاند اترنا ہے، تو اُتر خاموش
کہ میرا صحن ہے خاموش، میرا گھر! خاموش

یہاں پہ کوئی بھی سچ سن کے رہ نہیں سکتا
مرے لبو رہو چپ، اے مرے ہنر! خاموش

کہ نا خدا کو دلاؤ نہ اس طرح سے طیش
اُلٹ نہ جائے یہ کشتی ارے بھنور! خاموش

کہ میرے جسم کو آہٹ تلک سنائی نہ دے
تو میری روح میں اس طرح سے اتر خاموش

اگر نہیں ہے وہ طاہرؔ تو ہو گا اور کوئی
ترے ستم پہ رہا ہے، جو عمر بھر خاموش

اک چاند آر پار مری آنکھ میں رہا
سارا وجودِ یار مری آنکھ میں رہا

آنکھوں کے اشک ہو نہ سکے خشک، عمر بھر
اک عکسِ یادگار مری آنکھ میں رہا

بھوکا کئی دنوں سے ہوں، پر بردبار ہوں
یوں ہی مرا وقار مری آنکھ میں رہا

میں نے کیا ہے قافلہ سارا سپردِ خاک
اس کا مگر شمار مری آنکھ میں رہا

رخصت ہوا ہے آنکھ کے رستے سے دل کا شہر
بس اس کا انتظار مری آنکھ میں رہا

طاہر ہیولہ ٹوٹ کے بکھرا کچھ اس طرح
دستار کا غبار مری آنکھ میں رہا

O

آج کیسے نصیب پھوٹے ہیں
کہہ دیا اس نے ”آپ جھوٹے ہیں“

میں نے بچپن میں خواب دیکھے تھے
میرے بچپن میں خواب ٹوٹے ہیں

ہاتھ ، ہاتھوں میں اب نہ آئیں گے
ہاتھ ہاتھوں سے ایسے چھوٹے ہیں

گلستاں کا گماں گزرتا ہے
جس ہتھیلی پہ پھول بوٹے ہیں

اب نہ ہو گا مداوا ساری عمر
ہم عقیدت میں ایسے لوٹے ہیں

خار زاروں سے کیا گلہ طاہرؔ
آبلے گلستاں میں پھوٹے ہیں

اب ایسے شخص کو کوئی کہہ کر بھی کیا کہے
جس نے وفا کیے نہیں، پر وعدے خوب تھے

اے ربِ ذوالجلال! سماعت بھی چھین لے
سن سن کے جھوٹ لوگوں کے، الفاظ چل بسے

غم کے، اذیتوں کے تھے، یا تھے وہ ہجر کے
صد شکر ہم نے کاٹے ہیں، مشکل تھے مرحلے

زندہ دلان شہر تھے کل جن سے منسلک
افسوس ہائے وہ بھی یہاں لوگ مر گئے

پلکیں بچھا کے آپ کا دیکھیں گے راستہ
اے دوست میرے شہر میں جس وقت آیئے

طاہرؔ نہ بھول پائے گا تاعمر میرے دوست
دل سے اُتر نہ پائیں گے احسان آپ کے

O

اپنے آپ سے مل کر بھول گیا انسان
وہ تو خود ہی اس دھرتی کا ہے مہمان

قدم قدم پر وحشت کا بھی قبضہ ہے
کتنے مار کے پھینکتے جاؤ گے شیطان

پُررونق ہے دھرتی کا اک اک چپہ
آج تلک ہے لیکن میرا گھر ویران

ہجر کے صدمے شاید اب برداشت نہ ہوں
چھوڑ کے جانے والے تھوڑا کرنا دھیان

طاؔہر اس نے ایسا حال کیا ہے اب
میری حالت پر ہے یہ دنیا حیران

O

کیا بتلائیں بعد کسی کے آنکھوں میں کیا رکھا ہے
ساری عمر نبھانا ہے جو ایسا وعدہ رکھا ہے

اس کی آنکھ نے خوابوں کی تعبیریں ایسے ڈھونڈیں تھیں
جیسے لوحِ حیات پہ اک کاغذ کورا سا رکھا ہے

چشم کشائی کا لمحہ تو ایسا نازک لمحہ تھا
ہر سائل کے ہاتھوں پر اپنا ہی کاسہ رکھا ہے

رنگ و نور کی یہ محفل تو دھوکا تھا اور دھوکا ہے
ہم نے ایک چراغ کو اس خاطر ہی اپنا رکھا ہے

خاک نشیں اب گوشہ نشیں ہے قصرِ ریحانہ میں ہائے
ہر اک یاد کو اپنے دل میں طاہر ایسا رکھا ہے

○

ضرب آخری جو مثل قیامت ہے ابھی تک
یعنی کہ ترا وار سلامت ہے ابھی تک؟

وہ سامنے آ کر بھی ملاتا نہیں آنکھیں
اپنے کیے پر اس کو ندامت ہے ابھی تک

یعنی کہ ترے ذکر میں جو چین کی ہے وجہ
وہ پیار کی سینے میں علامت ہے ابھی تک

یہ کون ہے صدیوں سے جو سجدے میں ہے مصروف
یہ کون ہے جو فخرِ امامت ہے ابھی تک

طاہر مرے آئینے میں گو کچھ نہیں لیکن
آنکھوں میں ترا عکس سلامت ہے ابھی تک

○

نہ مر سکے گا یہ اس بار بھی سکون کے ساتھ
دسمبر آ کے ملایا ہے جس نے جون کے ساتھ

وہ گلستان کی صورت ہرے بھرے ہیں آج
جو پھول بوٹے بنائے تھے میں نے خون کے ساتھ

کہ دشت میں بھی اکیلا رہا میں ساری عمر
نہ چل سکی تری وحشت مرے جنون کے ساتھ

میں گھر میں ساتھ ہوں سب کے مگر اکیلا ہوں
مرا گزرتا ہے اب وقت اپنے فون کے ساتھ

کہ درد حد سے گزرتا ہے میرا جب بھی کبھی
لپٹ کے روتا ہوں طاہر کسی ستون کے ساتھ

○

اترا ہے چاند آنکھ میں، تو جھیل ہو کے دیکھ
ترسی ہوئی زمین کی تکمیل ہو کے دیکھ

سینے میں دل دھڑکتے ہیں، سن ان کی دھڑکنیں
خود سے محبّتوں کی تو ترسیل ہو کے دیکھ

تجھ پر کُھلیں گی درد و اذیت کی سب رُتیں
تو ہجرتوں کی رات میں تشکیل ہو کے دیکھ

پھر دیکھ تجھ پہ کرتا ہے وہ فیض کس طرح
تو کبریا کے حکم کی تعمیل ہو کے دیکھ

ضم کر کے اپنے آپ کو میرے وجود میں
اک بار میری روح میں تحلیل ہو کے دیکھ

کب تک خفا رہے گا تو اپنے رفیق سے
طاہر! انا کو چھوڑ دے، تبدیل ہو کے دیکھ

O

ہر بستی کا رہنے والا ہے اپنے آلات میں گم
اس کو یہ معلوم نہیں ہو جائے گا آفات میں گم

مجھ پر مالک کی یہ خاص عنایت ، کرم نوازی ہے
دنیا افراتفری میں ہے اور ہوں میں آیات میں گم

ہے یہ وہ ہی شہر جہاں پر ظلم کی ندیا بہتی تھی
اس قابل ہی لوگ تھے یہ، تم کن کی ہو اموات میں گم

تم بھی اس کی یاد کو اک دن دل سے نوچ کے پھینکو گے
تم بھی اک دن ہو جاؤ گے ان دلکش باغات میں گم

اب تو میرا حال بھی مجھ سے انجانا ہو جاتا ہے
اب تو اکثر ہو جاتا ہوں یادوں کی بارات میں گم

تم آئے تو بارش کا یہ موسم مجھ سے روٹھ گیا
بعد تمھارے ہو جاؤں گا اشکوں کی برسات میں گم

طاہرؔ! ہم دونوں نے کافی ہجر کی سختی سہہ لی ہے
آؤ دونوں ہو جاتے ہیں آج اس چاندنی رات میں گم

○

آنکھیں جگنو بن جائیں گی جھیل میں چاند اتر جائے گا
اس نے پیار سے دیکھ لیا تو آس کا دامن بھر جائے گا

جس کو بزدل بزدل کہہ کر روز چڑاتے ہو تم لوگو
اپنی آئی پر آیا تو یہ بھی کام وہ کر جائے گا

بام پہ ایک چراغ کو روشن ہر صورت میں رکھنا ہوگا
ورنہ ایسی تاریکی میں دل کا پنچھی ڈر جائے گا

جنگل، صحرا اور بیاباں ساری عمر نہ سو پائیں گے
قید سے اب کے چھوٹ گیا تو وحشی اپنے گھر جائے گا

تم نے واپس جاتے جاتے دیکھا نہ اس کی جانب گر
تو پھر یہ دم توڑنے والا مرتے مرتے مر جائے گا

طاہر! اچھا وقت کبھی تھا، پھر سے اچھا وقت آئے گا
پہلے سا گر وقت نہیں تو، یہ بھی وقت گزر جائے گا

○

زندگی میں کہ جنھیں ٹوٹ کے چاہا جائے
بعد مرنے کے نہ ایسوں کو بھلایا جائے

لینے والے کی عقیدت سے سبھی واقف ہیں
دینے والے کی سخاوت کو بھی دیکھا جائے

ایک مصرع میرے لفظوں میں اتر آیا ہے
اب تجھے بیٹھ کے تنہائی میں سوچا جائے

عین ممکن ہے سیہ رات مرے تن پہ سجے
ہجر کی رات میں کیسے اِسے پہنا جائے

اب تو سچ کہنے پہ دستار اتر جاتی ہے
اب تو سچ سوچ سمجھ کر یہاں بولا جائے

اس کی یاد آئی ہے طاہر بڑی مدت کے بعد
آج کی رات نہ کیوں ٹوٹ کے رویا جائے

O

وہ بعد مرنے کے ایسا لباس پہنیں گے
کہ دیکھنے سبھی احباب ان کو آئیں گے

گناہگاروں کا اس پر سے گرنا لازم ہے
پُل صراط سے، بس، نیک لوگ گزریں گے

خزانہ ہم کو ملا ہے قرونِ وسطیٰ کا
کوئی بھی گم شدہ اپنی کہانی ڈھونڈیں گے

زمیں پہ آج اگاتا نہیں اناج کوئی
فلک پہ کھوجنے کو اپنا رزق جائیں گے

لکیریں کاٹ رہی ہیں لکیروں کو ایسے
کہ موت زندگی، دونوں، اُلجھ ہی جائیں گے

○

سنگ کدوں میں عمر بِتائے ، نیلی شام کا پانی سبز
ہر ریشے میں بھرتا جائے، نیلی شام کا پانی سبز

ایسے میں کیا کام کریں ہم ان بیتی کچھ یادوں کا
آنکھوں میں جب عکس لے آئے، نیلی شام کا پانی سبز

نینوں میں جو ریت بھری ہے چپکے سے یہ ڈھل جائے
گیت خوشی کا ایسا گائے ، نیلی شام کا پانی سبز

کومل کومل ہو جائے وہ سندر سندر لہروں کا
آنچل اس کو جب پہنائے ، نیلی شام کا پانی سبز

سات سمندر پار سے مجھ کو طاہر وہ یہ کہتی ہے
آنکھوں میں اب ٹھہرا جائے ، نیلی شام کا پانی سبز

○

ایسے مجھے بنایا گیا یرغمالِ خاک
مر کر بھی مجھ کو رہنا پڑا یرغمالِ خاک

ہم لوگ کس خطا میں ہوئے خاک زادگاں
آدم کو تو خدا نے کیا یرغمالِ خاک

دیکھو ، اُسی کے نور پہ ایمان ہے مرا
وہ جس نے مجھ کو نام دیا یرغمالِ خاک

اب کے دیارِ عشق میں یوں در بدر ہوں میں
صحرا میں جیسے آبلہ پا یرغمالِ خاک

افلاک سے کوئی تو صدا دے کے پوچھتا
کیسی گُزر رہی ہے ، سُنا یرغمالِ خاک

اُس کو رہائی خاک سے پھر مِل نہیں سکی
طاہرؔ جو ایک بار ہوا یرغمالِ خاک

O

بات سن کر جو ہوئے جاتے ہو اتنا حیران
دیکھ جاتے مرا کتنا ہوا ہے گھر ویران

نہ ملے شور تو ملنے پہ گلہ کرتا ہے
کتنا کم ظرف ہے مٹی سے بنا یہ انسان

ان گنت لمحوں کا ہے پیار تری آنکھوں میں
اور مسکان پہ تیری ہوئیں صدیاں قربان

مجھ کو اس بار وہی راستہ دکھلائے گا
وہ جو رستوں سے جو منزل سے ہے بالکل انجان

وقت آخر جو مرے ساتھ کیا ہے تو نے
مر کے بھی بھول نہ پاؤں گا کبھی یہ احسان

اب کے اس حال کو پہنچایا گیا ہوں طاہر
اب مرے بچنے کا باقی نہیں کوئی امکان

O

موتیے کے ہار میں چوڑیاں کھنکتی ہیں
دھیرے دھیرے پیار میں چوڑیاں کھنکتی ہیں

ان کو تو خبر نہیں، اِن کا حال کیسا ہے
جن کے انتظار میں چوڑیاں کھنکتی ہیں

اجنبی سے لمس کا اجنبی سا ہے نشہ
اجنبی خمار میں چوڑیاں کھنکتی ہیں

اصل میں تو روتی ہیں، تجھ کو یاد کر کے جو
ہجر کے حصار میں چوڑیاں کھنکتی ہیں

طاہرؔ اب کے ہو گیا میرے دل میں دفن جو
سینے کے مزار میں چوڑیاں کھنکتی ہیں

باعثِ امکان ہیں اپنی جگہ
درد کچھ انجان ہیں اپنی جگہ

آپ کے لیکن ستم بھولے نہیں
آپ کے احسان ہیں اپنی جگہ

راستوں کی مشکلوں سے بے خبر
منزلیں آسان ہیں اپنی جگہ

گو ملائک سا نہیں ہے مرتبہ
ہاں مگر انسان ہیں اپنی جگہ

ہم فقیروں کا بھی ہے اپنا جہاں
آپ گو سلطان ہیں اپنی جگہ

دوستوں کے ہونے والے ظلم پر
کچھ عدو حیران ہیں اپنی جگہ

فاصلے جتنے بھی ہوں آساں مگر
غم کے ریگستان ہیں اپنی جگہ

اس نے گو خوش کر دیا طاہرؔ ،مگر
ہجر کے نقصان ہیں اپنی جگہ

○

نہ دعا کا ہوں، نہ سلام کا ، مجھے بھول جا
میں نہیں ہوں اب کسی کام کا، مجھے بھول جا

جو نہ جل سکا، نہ جلا سکا کسی دیپ کو
وہ چراغ ہوں کسی شام کا ، مجھے بھول جا

وہ جو جاں نثاری تھی ہر گھڑی ترے نام پر
وہ نہیں ہے رُوپ غلام کا ، مجھے بھول جا

میں کہاں کا ہوں نہیں یاد کچھ، مرے ذہن سے
ہوا نقشہ محو مقام کا ، مجھے بھول جا

جو لکھا کبھی، کسے یاد ہے؟ مرے طاہر اب
مرا حرف حرف کلام کا ، مجھے بھول جا

O

کیجیے اعتبارِ وفا کیجیے
عشق پہلا نہیں دوسرا کیجیے

میری آنکھیں بھگو دیجیے اشکوں سے
درد میں دل مرا مبتلا کیجیے

آپ کو ہے اجازت ہر اک بات کی
مجھ کو حرف غلط سا مٹا کیجیے

وہ جو قابل دواؤں کے بھی اب نہیں
اس کی خاطر بھی اب کچھ دعا کیجیے

دشمنوں سے تو جو کچھ ہوا سو ہوا
آپ سے بھی ہو جو ، آسرا کیجیے

دور ایسے ہی ہوں گی غلط فہمیاں
طاہر اب ان کا بھی سامنا کیجیے

○

آج قسمت سنواریں تو کیسا رہے؟
جھیل میں چاند اُتاریں تو کیسا رہے؟

جیتنے کا بھی اپنا مزہ ہے ، مگر
کھیل میں آج ہاریں تو کیسا رہے؟

دشت کی رونقیں پھر سے لوٹانے کو
قیس کا رُوپ دھاریں تو کیسا رہے؟

عمر بھر دوسروں کی تمنّا رہی
آج 'میں' اپنی ماریں تو کیسا رہے؟

ایک دن ویسے بھی ہم کو مر جانا ہے
دین پر جان واریں تو کیسا رہے؟

جس کو دل میں پکارا ہے طاہر اسے
ہم لحد میں پکاریں تو کیسا رہے؟

جتنے بھی مخالف ہیں، خداؤں سے لڑوں گا
میں دیپ جلاؤں گا، ہواؤں سے لڑوں گا

جب تک نہ رہے خون کی اک بوند بدن میں
میں تیرے لیے اپنے ہی گاؤں سے لڑوں گا

جب تک مرے سینے میں جواں ہے مری ہمت
میں اپنے تھکے جسم سے، پاؤں سے لڑوں گا

انگشت میں اٹھنے نہیں دوں گا کوئی تجھ پر
میں تیری طرف آتی صداؤں سے لڑوں گا

طاہر ہو مبارک اسے اب اس کی امارت
میں سب کے لیے دھوپ سے چھاؤں سے لڑوں گا

○

ناسور ہوئے زخم ، دوا ہے تو مدد کر
تُو میری محبّت کا خدا ہے تو مدد کر

اس کالی سیہ رات میں رستہ مجھے دکھلا
جگنو ہے ، ستارہ ہے ، دیا ہے تو مدد کر

جب تک سبھی خاموش تھے، خاموش تھا تُو بھی
اب چاروں طرف شور اٹھا ہے تو مدد کر

دل چیرنے والی ہے یہ مظلوموں کی فریاد
قسمت سے تُو سلطان بنا ہے تو مدد کر

میں بھی کبھی مشکل میں ترے ساتھ چلا ہوں
طاہرؔ! کوئی احسان رہا ہے تو مدد کر

○

اب نیند نہیں آنکھ میں ، خوابوں سے پرے ہیں
مے خانے میں ہیں اور ثوابوں سے پرے ہیں

ہم کو نہیں معلوم کہ کیسا ہے نشیمن
ہم گل سے ،گلستاں سے ، گلابوں سے پرے ہیں

کچھ ایسی مشقّت میں پڑے رزق کی ہم لوگ
اب لکھنے سے، پڑھنے سے، حسابوں سے پرے ہیں

جب سے تری پیشانی کی تحریر پڑھی ہے
اُس وقت سے ہم لوگ کتابوں سے پرے ہیں

طاہرؔ! نہیں آنکھوں میں کوئی خوابِ محبّت
اس واسطے ہم لوگ عذابوں سے پرے ہیں

○

کچھ لوگ محبّت کی اداؤں سے الگ ہیں
باتوں سے الگ اپنی وفاؤں سے الگ ہیں

کس کس کی یہ چیخیں ہیں جو دل چیر گئی ہیں
یہ کون سے بچے ہیں جو ماؤں سے الگ ہیں

یہ میرے رفیقوں کی دعاؤں کا ثمر ہے
اس دور میں ہم غم سے بلاؤں سے الگ ہیں

چہرہ تو ہے ان کا، ہے مگر چاند سے روشن
زلفیں تو ہیں ان کی پہ گھٹاؤں سے الگ ہیں

یہ ہی تو سنائیں گے ہمیں صبح کا مژدہ
کچھ دیپ ابھی تک جو ہواؤں سے الگ ہیں

ڈھل پائیں گے ہم لوگ نہ اس روپ میں طاہرؔ
ہم دھوپ کے پیکر ہیں سو چھاؤں سے الگ ہیں

جس طرح سے ہوتا ہے انگوٹھی کا نگیں سے
افلاک کا اس طرح سے رشتہ ہو زمیں سے

اس بار بھی دل کو مرے تسکین وہی دے
اس بار بھی آنکھیں مری روشن ہوں وہیں سے

زنجیریں اگر ٹوٹ گئیں میرے جنوں کی
پابند اسے کر نہ سکے گا تُو کہیں سے

اِک روز مری آنکھ میں جنت کا سماں تھا
اِک روز ملا کیا میں کسی زہرہ جبیں سے

دل جتنا سنبھالوں اسے بہلاؤں میں طاؔہر
قابو میں نہیں آتا یہ کم ظرف کہیں سے

○

دیوار سائے کو ، نہ کوئی سر پہ چھت رہے
ایسے کھنڈر مکان سے اب معذرت رہے

اے دوست مجھ کو لاؤ نہ اتنا بھی ہوش میں
وحشت سے کچھ نہ کچھ تو مری انسیت رہے

پہلے انا رہی تھی سدا ساتھ میرے ، پر
اب آرزو ہے ساتھ مرے مصلحت رہے

باقی نہ کچھ رہے مرے دل کے مکان میں
اس میں تمھاری یاد رہے ، معرفت رہے

یوں تو دیارِ غیر میں طاؔہر ہیں سب رفیق
پھر بھی مری دعا ہے وہاں خیریت رہے

O

گلی گلی میں اتر چکے ہیں کتاب آنکھوں کے زندہ نوحے
حسین چہروں کا سرخ ماتم شراب آنکھوں کے زندہ نوحے

زمیں کے سینے میں زندہ ہیں جو اگر سماعت ہے سن سکو تو
مری نگاہوں سے آج سن لو حجاب آنکھوں کے زندہ نوحے

کہ میری غزلوں میں میری نظموں میں کرب آ کر سمٹ گیا ہے
مرے قلم سے نکل رہے ہیں، جناب! آنکھوں کے زندہ نوحے

یہ کس کے دل میں اتر رہا ہے، عذاب آنکھوں کے اشک بن کر
یہ کس کے چہرے سے کر رہے ہیں خطاب، آنکھوں کے زندہ نوحے

میں طاہر ان کے لبوں کی مسکان چاہ کر بھی نہ لکھ سکوں گا
کہ ساتھ میرے رہے ہیں جن کی گلاب آنکھوں کے زندہ نوحے

○

پانی بھرا ہے جسم میں اس کو نکال دے
یا پھر سے یہ وجود سمندر میں ڈال دے

آتا رہے کمال کو تا عمر مجھ پہ رشک
پروردگار تو مجھے ایسا کمال دے

ایسی سخن کی مجھ کو حکومت تو کر عطا
بندہ ترا یہ لفظوں کو ہیروں میں ڈھال دے

یا نفرتوں کے ساتھ مجھے کر زمین بوس
یا اپنی خودسری میرے قدموں میں ڈال دے

اب رو پڑا ہے وہ ، اسے روتا ہوا بھی دیکھ
کس نے کہا تھا تُو اسے رنج و ملال دے

کوئی تو رنگ لے کے ہی واپس یہ آئے گا
طاہر تُو آسماں کی طرف دل اُچھال دے

○

وہی سنتا ہے دُعا ، سارا جہاں کہتا ہے
آسمانوں سے پرے وہ جو خدا رہتا ہے

صبح پلکوں پہ اُتر آتی ہے شبنم کی طرح
پانی آنکھوں میں سرابوں کی طرح بہتا ہے

کسی خنجر ، کسی تلوار کی اب بات نہیں
زخم لفظوں کے بھی چپ چاپ یہ دل سہتا ہے

اس کو ہونٹوں سے کوئی بات بھلا کیسے کہوں
وہ جو ہر بات ہی آنکھوں سے مجھے کہتا ہے

اس سے ملنے کا نہیں کوئی بھی اِمکاں طاہر
وہ کہیں دور بہت دور کہیں رہتا ہے

○

اب جو اترے تو دعا بس یہی لب پر اترے
تجھ کو ہر چیز سے محفوظ مرا رب رکھے

میرے حالات نے جینے کا مجھے درس دیا
ورنہ یہ روگ مجھے سانس نہ لینے دیتے

دل ہی دل میں اسے دن رات پکاریں، لیکن
پاس اس کے کوئی پیغام نہ بھیجا جائے

دو گھڑی حال ہمارا بھی وہ پوچھے آ کر
دو گھڑی پاس ہمارے بھی وہ آ کر بیٹھے

ایسے لوٹ آتے ہیں کچھ درد یہ دن ڈھلتے ہی
شام کو جیسے پرندہ کوئی گھر کو لوٹے

کیا خبر اس کا بھی دل ہلکا ہوا یا کہ نہیں
دل دُکھا جب بھی تو ہم ٹوٹ کے طاؔہر روئے

O

میں خاص خاص رہوں یا کہ عام ہو جاؤں
کسی طرح سے مگر تیرے نام ہو جاؤں

سکون پاؤں میں تم کو خیال میں لا کر
تمھی میں سمٹا رہوں اور شام ہو جاؤں

جہاں پہ رات اتر آئے ہوں دئیے روشن
میں کاش کوئی تو ایسا مقام ہو جاؤں

تمھارا حکم اگر ہو تو میں بنوں سلطان
تمھارا حکم اگر ہو ، غلام ہو جاؤں

گلی گلی میں ہوں طاہر اسی کی تصویریں
اسی کی آنکھوں سے محوِ کلام ہو جاؤں

○

جو رنجش کی باتیں ہیں ساری بھلا دوں
اٹھاؤ نظر تو میں دل سے دعا دوں

مری دسترس میں اگر گل ہوں سارے
ترے گھر کے آنگن کو ان سے سجا دوں

اسی میں بھلائی ہے، میں چپ رہوں اب
اگر بول اٹھوں تو حشر اک اٹھا دوں

ترے گھر کی تاریکیوں کے میں صدقے
اگر تو کہے تو یہ تارے گرا دوں

ترے نام تک کو مٹا ڈالا دل سے
تجھے اور کیا اس سے بڑھ کر وفا دوں

وہ طاؔہر فقط ایک ہی بار کہہ دے
میں ہجرت کے سارے فسانے سنا دوں

○

ان کی جانب دیکھ لوں تو آنکھیں ہو جاتی ہیں نم
پال رکھے ہیں کسی کے ہجر میں ایسے بھی غم

بے سمندر شہر میں ہم سا سمندر دل نہ تھا
وقت کی دیوار پر لکھے ہوئے نوحے تھے ہم

جو لگا لیتے ہیں سینے سے کسی کے ہجر کو
ان کی بھی اکثر سنا ہے عمریں ہو جاتی ہیں کم

یہ مسافر کھو نہ جائے پھر کہیں پر راہ میں
وقت کی گردش کہیں پر سانس لے، اک پل کو تھم

کس کا ہے طاہر جہاں میں میرے جیسا چھلنی دل
کس نے جھیلے ہیں جہاں میں اس قدر ظلم و ستم

○

بدل گیا ہے زمانے کے ساتھ اب تُو بھی
نہیں ہے کہنے کی لیکن یہ بات ہے سچی

ابھی کچھ ایسا ہے، اس زیست سے نہیں الفت
کبھی یہ جان سے بڑھ کر بھی مجھ کو پیاری تھی

کہیں پہ دیپ جلے تھے، کہیں پہ یہ آنکھیں
کہیں پہ چاندنی اتری کہیں پہ تاریکی

ہمارے شہر میں کوئی بھی بے لباس نہیں
سبھی ہیں پہنے ہوئے اپنی اپنی خود غرضی

عدو کا نام ہوا ہے، وگرنہ اے طاہر
ہمارے سینے میں برچھی تو یار کی اتری

66 اکائیاں

1

ترے پاؤں کی پائل چومنے کو
سمندر بھی اجازت مانگتا ہے

2

ناموسِ چشم گر ہے تو لے لو اُدھار اشک
لگ کر گلے سے یار کے رونا ہے دیر تک

3

نمی بکھری پڑی ہے چار سُو اور
کلی شبنم کہیں پر پی رہی ہے

4

تیرے ہاتھوں سے لے کے رنگِ حنا
زندگی پیرہن بدلتی ہے

5

کتنے نایاب ہیں یہ تیرے نقوش
جن کا نعم البدل نہیں ملتا

6

محبّت، راستے میں ، دُکھ کا پتھر
تری خوشبو میں بس کر جی رہی ہے

7

وہ محوِ رقص ہو جاتی ہے دھرتی
کہ تُو جس سمت نکلے گھومنے کو

8

خوشی سے اس میں جی لیں گے یہ ہے ہم کو خبر
چلا تو جائے گا وہ دے کے ہم کو اپنے غم

9

یہ برف کیسے بھلا سرد ہم کو کر دے گی؟
خود اپنی آگ میں جلتے ہوئے چراغ ہیں ہم

10

کس نے تم سے یہ کہہ دیا لوگو
اس کا وحشت سے، غم سے پالا ہے

11

خود کو تسخیر کرنے والے کی
آنکھ میں روشنی کا ہالہ ہے

12

طے ہو گیا اس بار بھی مرنا ہے ضروری
قاتل! تری گلیوں سے گزرنا ہے ضروری

13

یہ تیرا غم ہے کہ تقدیر کی سزا کوئی
کسی بھی پہلو مجھے چین ہی نہیں آتا

14

اداسی کی راہیں کٹھن ہیں بہت
مرے دل نہ تم چل سکو گے وہاں

15

آتا ہے آسمان سے ، مرتا ہے فرش پر
ہر رات ایک تارا اترتا ہے فرش پر

16

کلیجہ نہیں ہے ، کسی کا بھی نرم
کسی سے نہ اب التجا کیجیے

17

مری طرح کا تھا، میرے وجود سے لگ کر
تمام رات مرے پاس کوئی روتا رہا

18

نجانے کس نے پھینکے ہیں مسل کر
یہ گل کل تک ترو تازہ بہت تھے

19

بھیگی بھیگی پلکوں پر
چاند اتر کر بیٹھا ہے

20

پلٹ کے جائیں گے واپس نہ اب کسی بھی طور
پہن کے آ گئے ہیں گھر سے سفید چادر ہم

21

دھڑک سا اٹھا ہے یہ کیوں دل مرا
کہ دروازے پر پھر وہی تو نہیں؟

22

امیر لوگوں کی مجھ کو خبر نہیں لیکن
شریف لوگ شرافت سے مارے جاتے ہیں

23

پاؤں کے چھالے لہو دینے لگے
تھک چکا ہوں، اس قدر چلتے ہوئے

24

تُو لے کے آیا ہے جامِ فرات اب مرے پاس
مرے عزیز! میں کب کی بجھا چکا ہوں پیاس

25

انا کو چھوڑ کے، گر پاس اس کے چل بھی دیے
جفا شناس وہ، پاسِ وفا نہ رکھے گا

26

یہ آنکھوں سے بہتی ہوئی بارشیں
تمھاری اذیت کریں گی بیاں

27

لفظ ہونٹوں سے ادا ہوتے ہوئے
رو پڑے تھے ہم جدا ہوتے ہوئے

28

ہر اک لب پہ ہے قہقہوں کا فسوں
اداسی کی باتیں میں کس سے کروں؟

29

اُجالا تیرگی کو کھا چکا ہے
چراغوں کو جلایا جا چکا ہے

30

ٹپ ٹپ بارش برسے آ کر
میرے من کے صحراؤں میں

31

یہ گلیوں سے جو کاغذ چن رہی ہے
نہ جانے کس کی وہ لختِ جگر ہے

32

بازاروں کی رونق سے اب
دل میرا گھبرا جاتا ہے

33

اتنی باتیں کافی ہوں گی
ہم نے جو چپ رہ کے کر لیں

34

ساحل کے آس پاس ہی ہوگا مرا وجود
یعنی یہیں قریب ہی ڈوبی تھی میری ناؤ

35

سچی قسمیں کھانے والا
جھوٹا نکلا تو کیا ہوگا؟

36

ورنہ مرا مزاج تو پھولوں کی طرح تھا
مجھ کو مرے نصیب نے پتھر بنا دیا

37

چڑیا دانا کھاتے کھاتے
چپکے سے پھُر ہو جائے گی

38

نہ آیا اور کوئی زندگی میں
وہ پہلا شخص ہی بس آخری تھا

39

کھل کر دیکھوں گا اب تیری تصویریں
ٹوٹ چکی ہیں تاریکی کی زنجیریں

40

تری چوکھٹ پہ یہ لب رکھ دیے ہیں
عبادت ہو گئی ، اب جا رہا ہوں

41

ہم سے اُجڑے لوگوں سے
دور رہو تو اچھا ہے

42

جہلم کا پانی روشن ہے
اس نے پاؤں ڈالے تھے

43

لو آج پوری کر دی مرے یار تیری شرط
مشکل تھے ماہ و سال مگر کاٹ ہی لیے

44

ہم انجانی سی راہوں پر
چلتے چلتے مر جائیں گے

45

وہ آئے گا کہ نہیں آئے گا ، خدا معلوم
ہم اعتبار تو وعدے پہ کر کے بیٹھے ہیں

46

سُندر سُندر آنکھوں والے
اکثر دل کے میلے نکلے

47

پلٹ آؤ تو بہتر ہے
ابھی کچھ سانسیں باقی ہیں

48

کہہ رہے ہیں پاؤں کے یہ آبلے
دو گھڑی کو بیٹھ سستانے بھی دے

49

جھیل کا پانی دیکھوں تو
اب آنکھیں بھر آتی ہیں

50

میرے کمرے سے کتابیں تو ہٹا دیں تم نے
اب مرے سامنے بیٹھو کہ تمھیں حفظ کروں

51

زنداں میں رہ کر بھی ہم لوگ
اکثر ہنستے رہتے ہیں

52

اس کا گھر ہے جگ مگ ، جگ مگ
میرا گھر ویران پڑا ہے

53

بھلا دی ہے تری ہر اک گفتگو
ترا نام دل سے مٹا بھی دیا

54

مجھ کو مسکان بھی وہی دے گا
رنجشیں بے حساب ہیں جس سے

55

وہ بچپن تھا، یہ ''پچپن'' ہے وہ کم سن بچہ، یہ بوڑھا
کھڑے ہیں آئینے میں ساتھ دونوں کس کو دیکھوں میں؟

56

ایسا کچھ اہتمام ہو آنکھوں کی جھیل کا
اس سمت چاند آئے تو واپس نہ جا سکے

57

اس کے جھوٹے لفظ بھی سچے
میری سچی باتیں جھوٹی

58

مری آنکھوں کی جو تھا ٹھنڈک بنا
اسی نے انھیں پھر رلایا بھی ہے

59

اس سے ملنا ہے آج ، سو مجھ کو
صاف ستھرا لباس پہنا دو

60

شہروں میں جنگل ہوتے تھے
اب لگتے ہیں شہر بھی جنگل

61

جو کچھ بھی ہے نہاں ،اسے رہنے دے تُو نہاں
جیسے پڑا ہوا ہے یہ پردہ پڑا رہے

62

یاد رکھنا ہے اس کو کہاں عمر بھر
اک نہ اک دن اسے بھول جانا ہی ہے

63

منظر وہی ہے، شہر بھی،سب لوگ بھی وہی
لیکن تری ان آنکھوں میں اب بات وہ نہیں

64

بھیگی بھیگی ان آنکھوں میں
اُجڑے اُجڑے خواب رہیں گے

65

اب بھروسہ کسی کا بھی مت کیجیے
اب بھروسے کے قابل نہیں کوئی بھی

66

طاہؔر عمر گزاری ہے گم نامی میں
پیری میں اب خاک کماؤ گے تم نام

آزادی

جہانِ تیرگی میں روشنی ہے آزادی
ہیں خوش نصیب وہ، جن کو ملی ہے آزادی

خدایا! شکر ادا جس قدر کریں کم ہے
وطن کے نام پہ ہم کو جو دی ہے آزادی

نہیں تھا اتنا بھی آسان یہ وطن لینا
جگر کا خون دیا ہے تو لی ہے آزادی

کہ ان کا نام قیامت تلک چمکتا رہے
کہ جن کے خون سے روشن ہوئی ہے آزادی

کسی نے عمر غلامی میں ساری کی ہے بسر
کسی نے جان کے بدلے چنی ہے آزادی

ہمارے قائداعظمؒ کا ہم پہ احساں ہے
نہ مِل رہی تھی ہمیں، چھین لی ہے آزادی

دُعا ہے ان کا رہے نام حشر تک طاؔہر
ہمارے نام یہ جس جس نے کی ہے آزادی
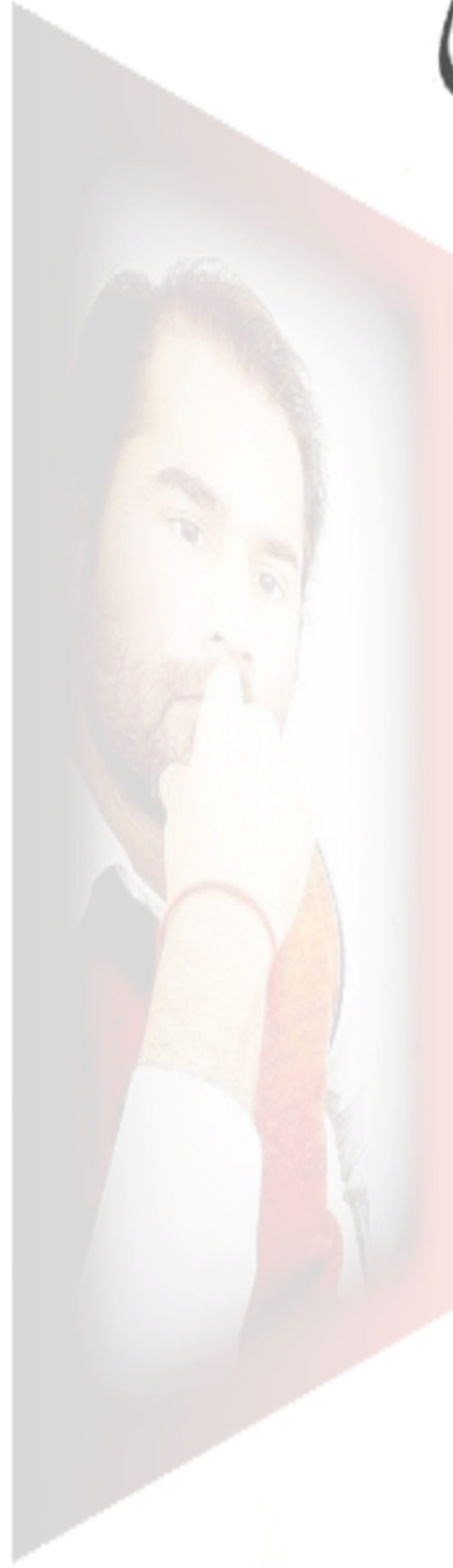
قلعی

''پرانے'' لوگ

پرانے دوست

پرانی محبّتیں اور

پرانی یادوں کے سہارے

ہر ''نیا'' دن

بِتاتے ہیں

خود کو

''نیا نکور'' بناتے ہیں

خسارے میں نوید

پت جھڑ کا موسم

دبے پاؤں چلا تو آیا ہے

اور نئے موسموں کی

بشارت دینے والی صبح سے

اس کی ہاتھا پائی میں

چرمراتے ہوئے پتوں کی

آہ و بکا کے درمیاں

ذرہ، ذرہ اُبھرتی ہوئی

ایک بے زبان کونپل

یہی کہہ رہی ہے

والعصر

ان الانسان لفی خسرا

اور ہم سب کو

اک روز اس کے پاس

لوٹ کر جانا ہے

لیکن یہ بھی سوچو

کہ آنے والے ہر

ایک نئے لمحے میں

چھما چھم برستی

نئی بارشیں

نئی فصلوں کی

ایک بالکل نئی ترتیب

تجسیم کر رہی ہیں

چوتھی دنیا کے ایک امیر ملک سے

کہانی کاروں اور شاعروں نے

اپنے حروف سارے

کسی صحیفے کو دان کرنے کی

بجائے اس ایک عفریت کے حوالے کر دیئے ہیں

جو اپنی ان کہی خباثتوں

کو لفظ میں لپیٹے

اپنی آتش فشانی سے

نئی دُنیا کے ایک اِک دن کی

نوید دینے کا بھونپو

بجائے ہی جا رہا ہے

(تنزایہ ۲۰۰۹ء)

گِدھ

میں ایک عالمی

معاشرے کا بین المملکتی فرد ہوں

جس کے اردگرد

نفسا نفسی کے گدھ

ہوس پرستی کا چولا پہنے

ہمہ وقت

منڈلاتے ہیں

طاقت کے نشے کے زعم میں

ہر روز دُنیا کے

کسی نہ کسی کونے میں

یہ گدھ

لاش پر میری اک وحشیانہ

رقص کرتے ہیں

اور میری اکھڑی ہوئی سانسوں

میں شاخ زیتون سے

ویکسینیشن کر کے

پھر مجھے قاتلوں اور بھیڑیوں کے سامنے

پُرامن بقائے باہمی کے نام پر

حقوق انسانی کی کھال

پہنا کر

قتل گاہ میں

جھونک دیں گے
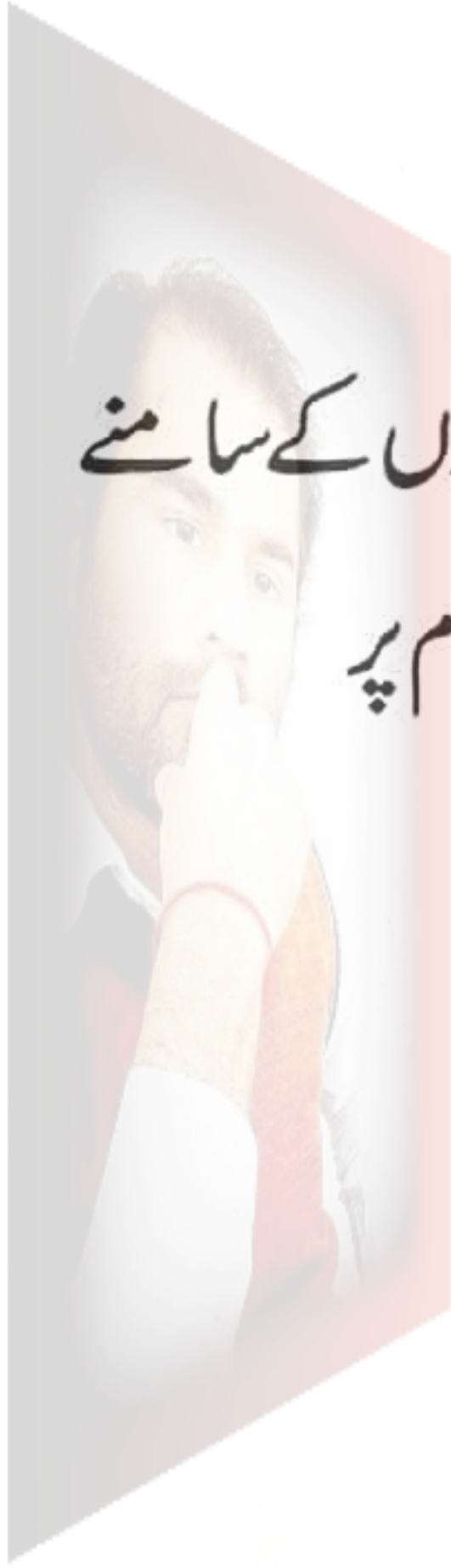
(سان ہوزے، کوسٹاریکا ۲۰۱۷ء)

بہکاوہ
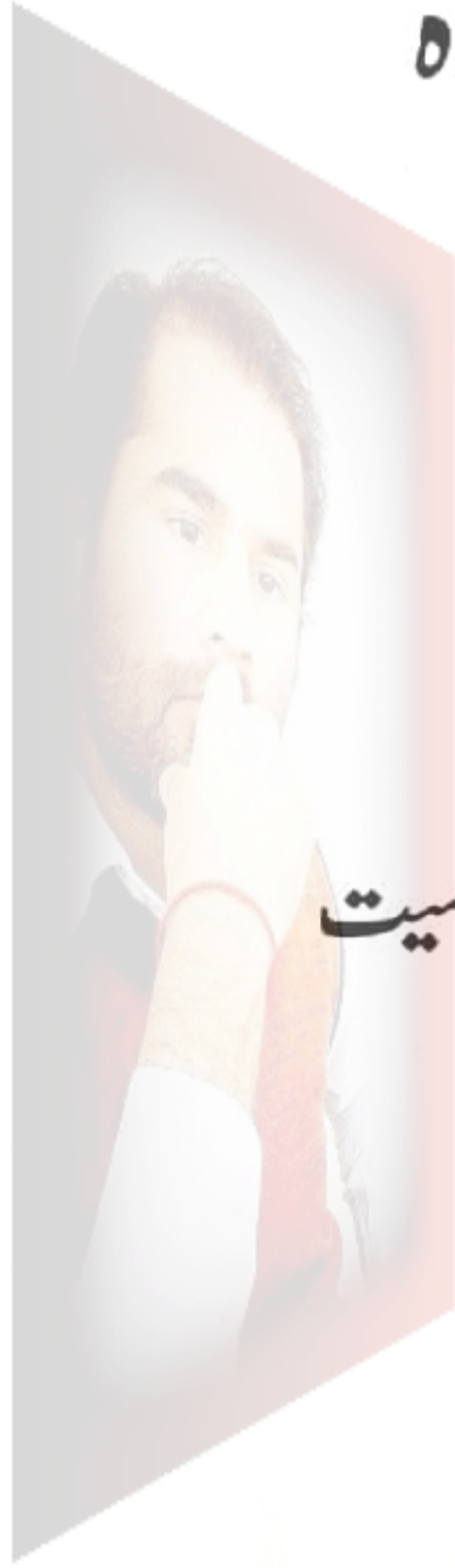
شام ڈھلے

سورج کی ٹمٹماتی ہوئی

کرنیں جب رشین ہل سمیت

سان فرانسسکو سکائی لائن

پر اپنی رُخصتی کا منظر

لکھ رہی تھیں

تو عین اس وقت

برکلے یونیورسٹی سے کچھ فاصلے پر

بحرالکاہل کنارے، برکلے مرینہ

میں اپنے پسندیدہ ریسٹورنٹ

Stake on the Bay

میں بیٹھے

میں بھی کھلی آنکھوں سے اس منظر میں گم سم تھا

کیلیفورنیا کے ریاستی قانون ساز اِدارے میں

برسوں پرانی میری کولیگ میری این نے

مجھ سے پوچھا

کہ سان فرانسسکو اور برکلے میں

بیک وقت

منظر کیوں جِھلملا رہے ہیں

اس کا اِشارہ میری آنکھوں

میں چمکتے ہوئے آنسوؤں کی طرف تھا

اسے میں کیسے بتاؤں کہ

چار دہائی قبل ''کسی'' نے

اس طرح کے منظر کے

بہکاوے میں آ کر

میری پہلی خواہش کا خون کیا تھا

میں نے مسکان بھرے لہجے
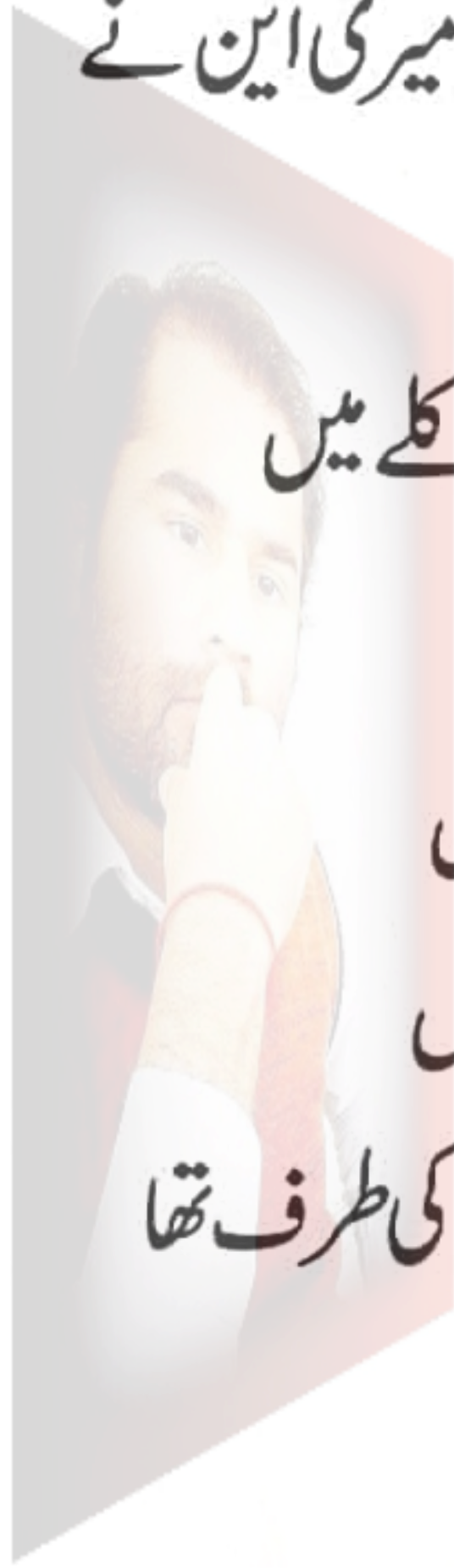
میں اسے کہا یاد ہے

تم کو سکرامینٹو (Sacramento)

جب ہم سب

اپنا اپنا ٹاسک کامیابی سے

مکمّل کرتے تھے تو

سب آنکھیں شکرِ خدا

میں بھیگی ہوتی تھیں

لیکن دراصل میں تو

اس لمحہ نایاب

میں تھا کہ

اگر بہکاوہ نہ ہوتا تو

کیا میری ان سُتی ہوئی آنکھوں میں

یہ سارے منظر لکھے ہوتے
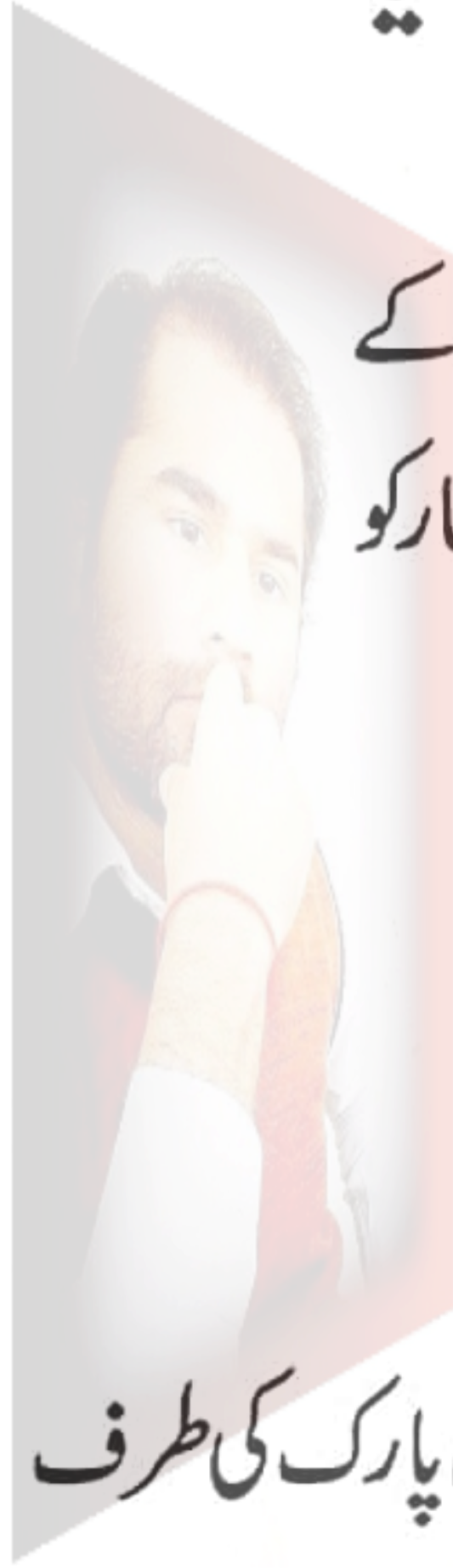
قبضہ مافیا

علی الصبح سورج کی کرنوں کے
پہلے بوسے کے لمس کے خمار کو
تم کیا جانو
مگر آج مجھ سے وہ
قبضہ مافیا کی وجہ سے
مِس ہو گیا
ڈی ایچ اے ٹو کے سینٹرل پارک کی طرف
اُٹھتے میرے قدم
میری طرح کے
کسی سحر خیز بابے کے
ٹی وی لاؤنج سے اُٹھتی
قبضہ مافیا کی خبر

سنتے ہوئے اپنی روانی
کھو بیٹھے تو میں نے
پارک پہنچتے ہی
لمبی لمبی سانسوں میں
قبضہ مافیا کے پنپنے
کی دعا کچھ یوں مانگی
کاش کوئی قبضہ گروپ
میرے دکھ، میری نا آسودگی،
میری تشنہ خواہشات اور
میری آنکھوں کے ادھورے خواب
ہتھیا لے اور
مجھ کو مسرت کے
لازوال لمحوں سے آشنا کر دے

ہم سب
اپنی اپنی کٹیا میں
اس قبضہ گروپ کی
راہ تک رہے ہیں

انا لِلّٰہ و اِنا الیہ راجعون
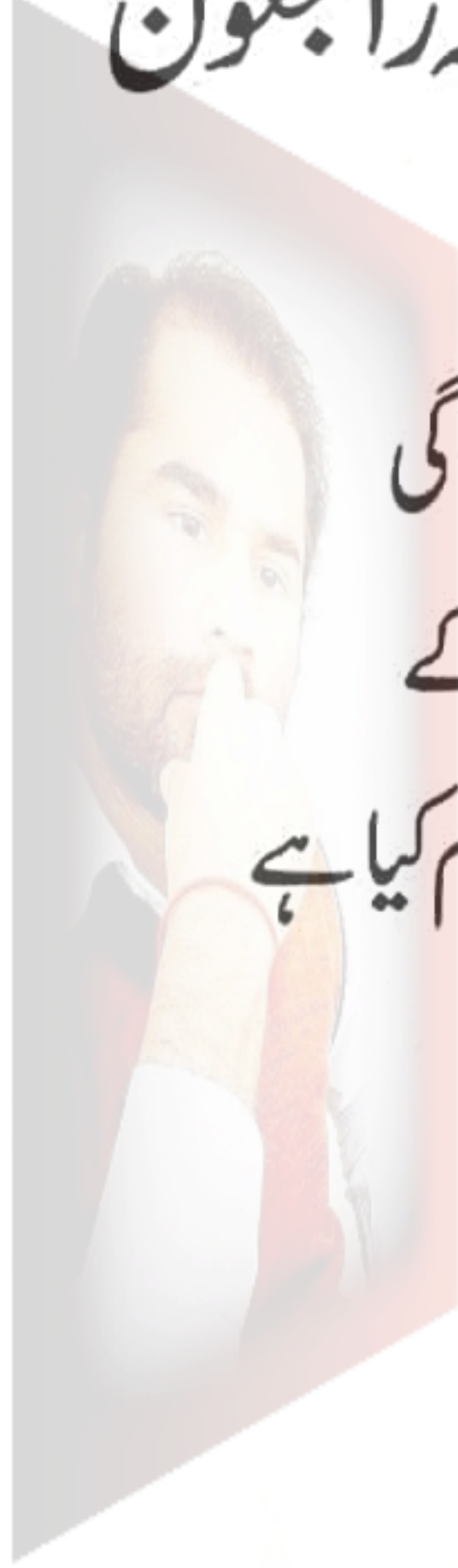
قصرِ ریحانہ کے لان میں اُگی
رات کی رانی کی خوشبو کے
سحر نے میرے بدن کو مجسّم کیا ہے
اب صبح اُٹھ کر
قد آدم آئینے میں
پاؤں دیکھ کر
اس سے روز پوچھتا ہوں کہ
سفر لکھا ہے؟
اور اس عادت کی سزا ایک روز
یوں ملے گی کہ
آئینے میں مسکراتا ہوا

گڈ اولڈ مین

پاؤں کو بتائے بغیر

مسکان سے

اذنِ سفر دے دے
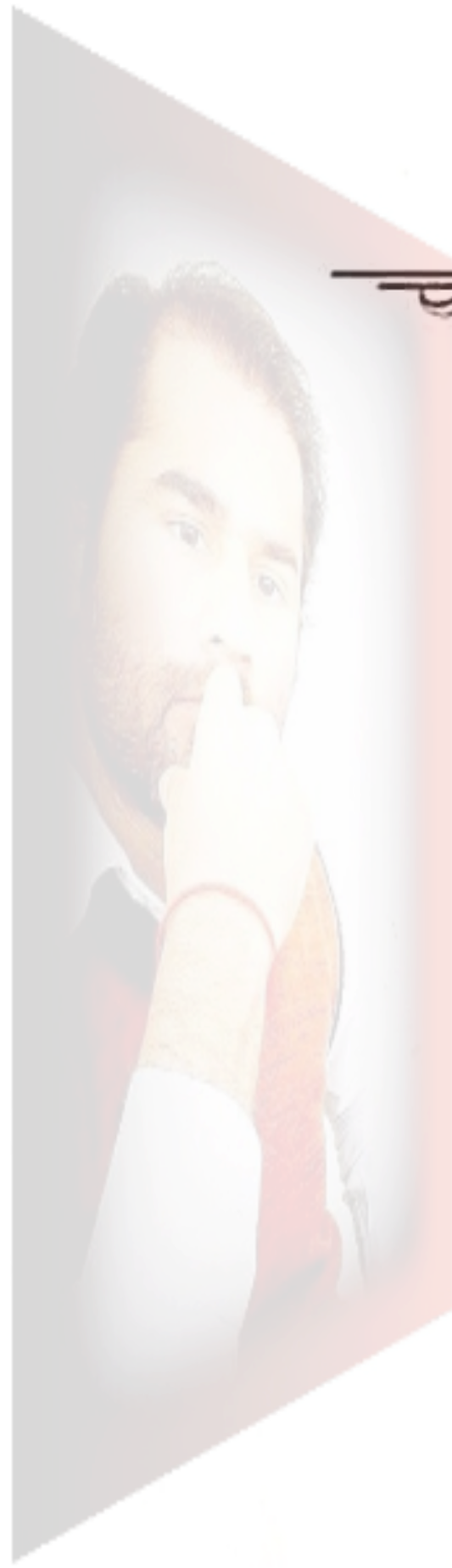
ناسٹیلجیا
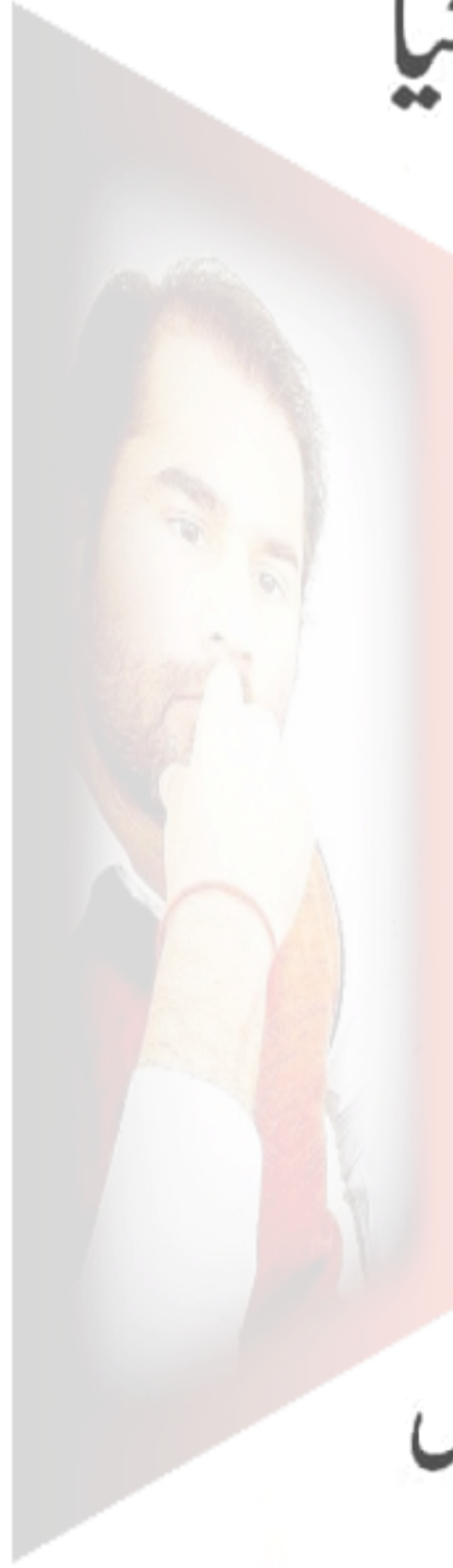
جون کی ایک نیم دہکتی صبح
میں وہ
اپنے ہم عمر
چوکیدار کی منت سماجت
کررہا تھا
کہ وہ اسے پرائمری اسکول
کے گراؤنڈ میں جا لینے دے
مگر کرونا کی دہشت اوڑھے
چوکیدار خوشی سے مر نہ جاتا
اگر وہ جان لیتا
کہ جس کی سخت گیر طبیعت اور مزاج کے قصے

آج بھی نوجوان افسروں کے
تربیتی نصاب کا حصہ ہیں
وہ آخر کیوں اس کی منت کر رہا ہے
اسے وہی مٹی کھینچ لائی ہے
جو اس میدان میں
آدھی چھٹی کے وقت
وہ اپنی تختی پر
مل کر چپکے چپکے کھاتا تھا کہ
اس کی ماں
ایک وقت کا کھانا
گھر میں پکاتی تھیں اور
چار وقت وہ لسوڑے کے اچار کا
''کامبو'' بنا کر بچوں کو دیتی تھیں
آخر کار
جب چوکیدار نہیں مانا
تو وہ بابا اسکول کے گیٹ کے ساتھ
لگے شیشم کے بہت
بڑے درخت کی جڑ سے

مٹی اُٹھا کر

اپنے پھٹے پرانے
اسکول بیگ سے
نکالی ہوئی چمکتی بوتل
میں ڈالنے لگا
پاس سے گزرتے
ماڈرن وضع قطع کے دو لڑکوں نے
چوکیدار کی طرف فقرہ اچھالا
''ایک اور پاگل''
تو بابا نے
فلک شگاف قہقہہ لگا کر کہا
''ہم تو بن گئے
لیکن تمہاری بانجھ نسلیں
ہاتھوں سے باندھی گرہیں
دانتوں سے کھولنے کی خواہش لیے
زمیں بردہوتی رہیں گی''

ڈرپوک

جب سے وہ ''بڑا'' ہوا
تو وہ اپنے سائے سے
بھی ڈرنے لگا ہے
اسے اپنی جیب میں
پالے ہوئے دشمن سے بچنے
کی خاطر ''کہیں'' پر
سرنڈر ہونے کی وحشت نے
دھوپ میں رکھی برف کا
ہمنوا بنا دیا ہے

پیرانہ سالی سے عہدِ طفل تک

آج گھر کے سارے لوگ
پریشاں ہیں
آٹھ برس میں پہلی بار
بابا کے کمرے کا دروازہ بند
اور دروازے کے ہینڈل پر
آویزاں ٹیگ پر لکھا ہے
آرام میں مخل نہ ہوں
حیرت اور استعجاب میں مبتلا
گھرانے کو کیا معلوم
ایک پرانی سی صندوقچی

میں وہ اپنا بچپن ڈھونڈ رہا ہے
اپنے ہاتھوں کی پُشت کو سہلاتا ہے
جس پر ماسٹر غلام رسول نے
کھو کی سوٹی مار مار کر
انگریزی سکھائی تھی
دروازہ کھلتا ہے تو
بچوں کی طرح درد سے
سی سی کرتا بابا دونوں ہاتھوں کو
کمر کے پیچھے رکھے
کبھی روتا ہے کبھی ہنستا ہے

آخری گمشدہ یاد

جونہی آم پر بُور کا موسم

آتا ہے تو

میری ای میل میں ہر روز

اسلام آباد کے راول ڈیم کے باغ

میں آم کی شکل کے تالاب کے

بارے میں پوچھا جاتا ہے

اب تو پوچھنے والے کے پاس

کئی دہائیوں پہلے کی

اک یاد بچی ہے

کہ آم کی محبّت میں گرفتار

اپنی جدوجہد کے دنوں
میں ''تالاب'' کنارے
اِک دُوجے کی باتوں سے
خوشیاں کشید کرتے تھے
الحمدللہ اب رب کا دیا سب
کچھ ہے مگر
خانہ بدوش آنکھیں
آج بھی ''وہی'' ازلی خوشی
تلاشتی ہیں

مہر بند راز
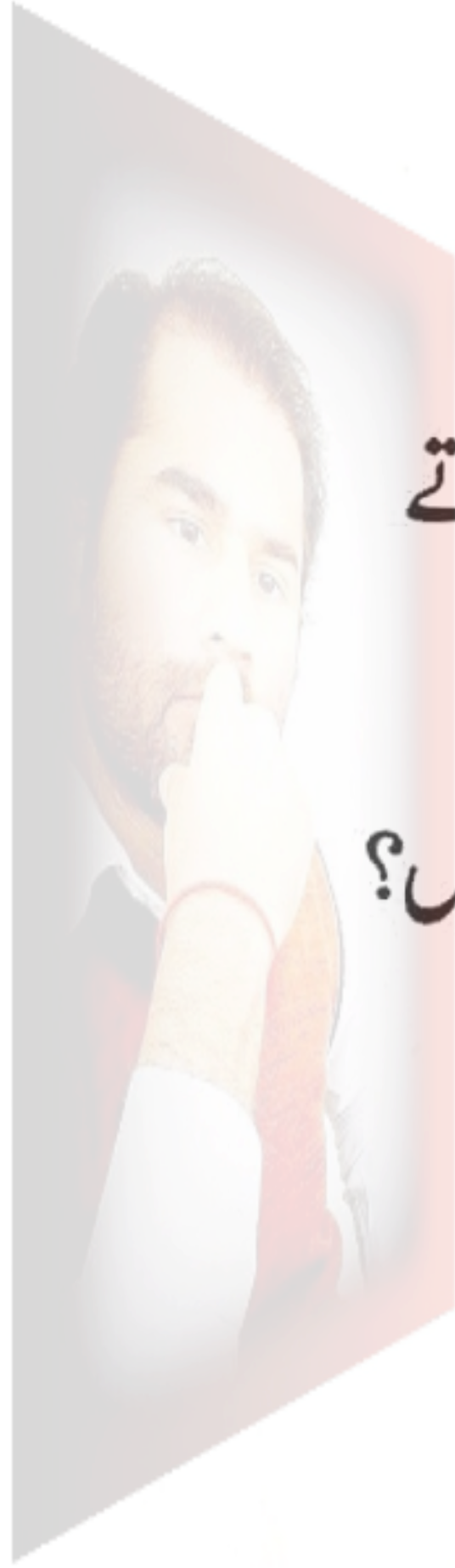
اس نے مجھ سے پوچھا
میں نے تمہیں کبھی مسکراتے
ہنستے نہیں دیکھا
کیا یہ بڑھتی عمر کا المیہ تو نہیں؟
میں خاموش تھا
اسے کیسے بتاتا کہ
جن لوگوں کو تم نے ہنستے
مسکراتے دیکھا ہے
ان کی خوشیاں
غم والم کے عفریت
کھا گئے ہیں

ادھوری ملکیت

وہ اپنے آپ سے ہی لڑ رہا تھا
وہ سو کر اس لیے نہیں اُٹھنا چاہتا کہ اگر آنکھ کھل گئی
تو وہ اسے کھو دے گا
وہ اسے کل بھی کھونا نہیں چاہتا تھا
آج بھی
اور آنے والے کل میں بھی

خود پسند
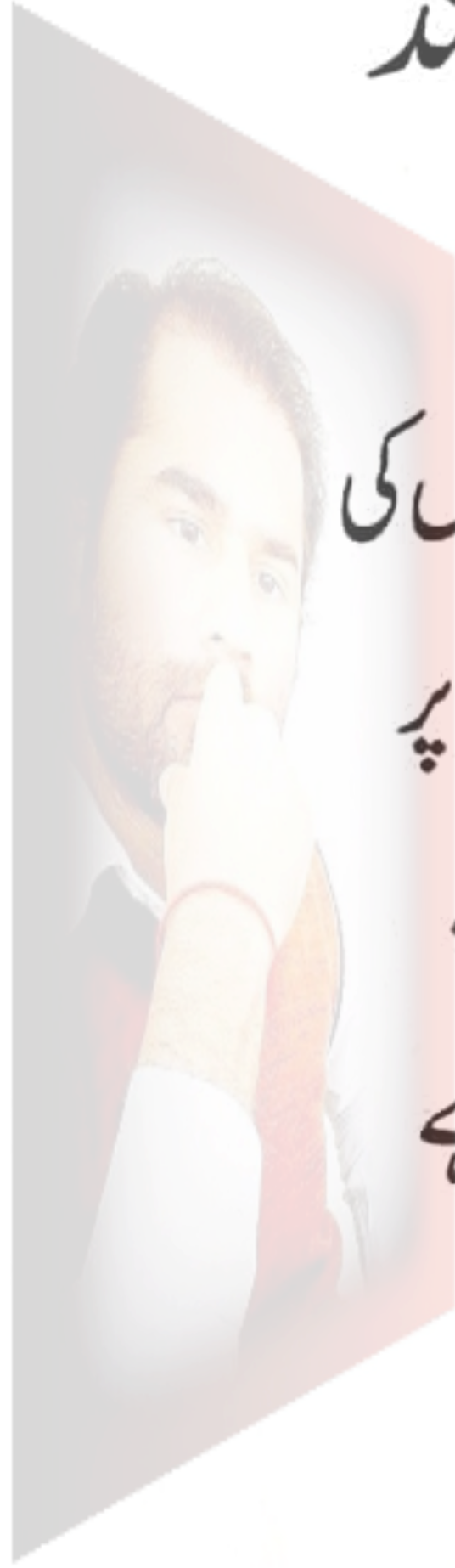
پھولوں سے لدے درختوں کی
چھاؤں میں واکنگ ٹریک پر
اس کو کراس کرتے ہوئے
ہر عمر کے لوگوں کو معلوم ہے
کہ وہ اپنے آپ سے
باتیں کرتا ہے
کوئی یہ نہیں جانتا
کہ دُنیا کے جھمیلے میں
وہ خود کو
کھوجنا بھولا ہوا تھا

اور ہر صبح

سورج کی پہلی کرن

اس سے پوچھتی ہے

تم ہو کون؟
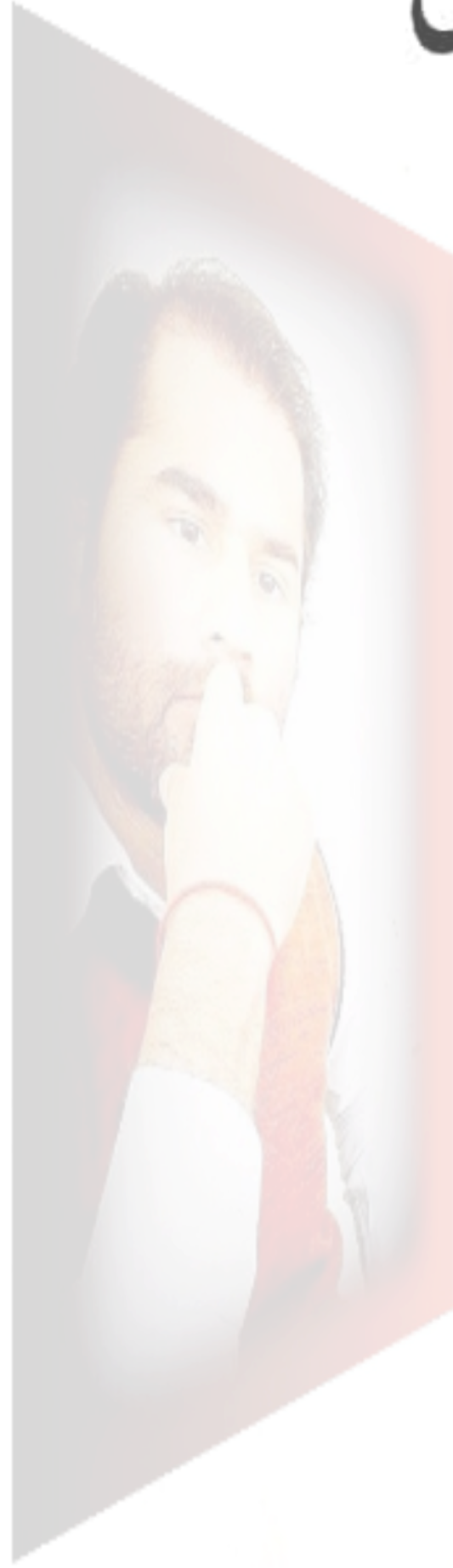
دُوری

کبھی، کبھی
مجھے اپنی پسندیدہ
ہر شے سے لمحاتی دوری
پسند ہے
یہ جانچنے کے لیے کہ
کیا یہ فاصلہ
سکونِ قلب سے
لے کر میرے ہمزاد تک
ہر شے، رشتے اور ناتے کو
کسی کی زندگی کے
مد و جزر میں نقطۂ اتّصال ہو گا؟

سونامی

جوان لہجے

اشتعال سے لبریز

عنقا تشخّص

زہر آلود سوچیں

بے سمت خواہش

یہ کس عہد میں

خدایا میرا جنم ہوا ہے

معاشرہ تعفّن زدہ

میں سرخ کائی پہ چلتے ہوئے

اپنی آنکھوں میں رہی سہی

روشنی کی رمق کھو رہا ہوں

کوئی رہبر نہیں

کوئی ناخدا بھی نہیں

ہمارے مقدر میں

کیڑے مکوڑوں کی مانند

شکستہ پائی لکھی ہوئی ہے

ہر قدم پر اک نیا سونامی

ہم سب کا منتظر ہے

(ساحل سمندر ہیوسٹن امریکہ 2019ء)
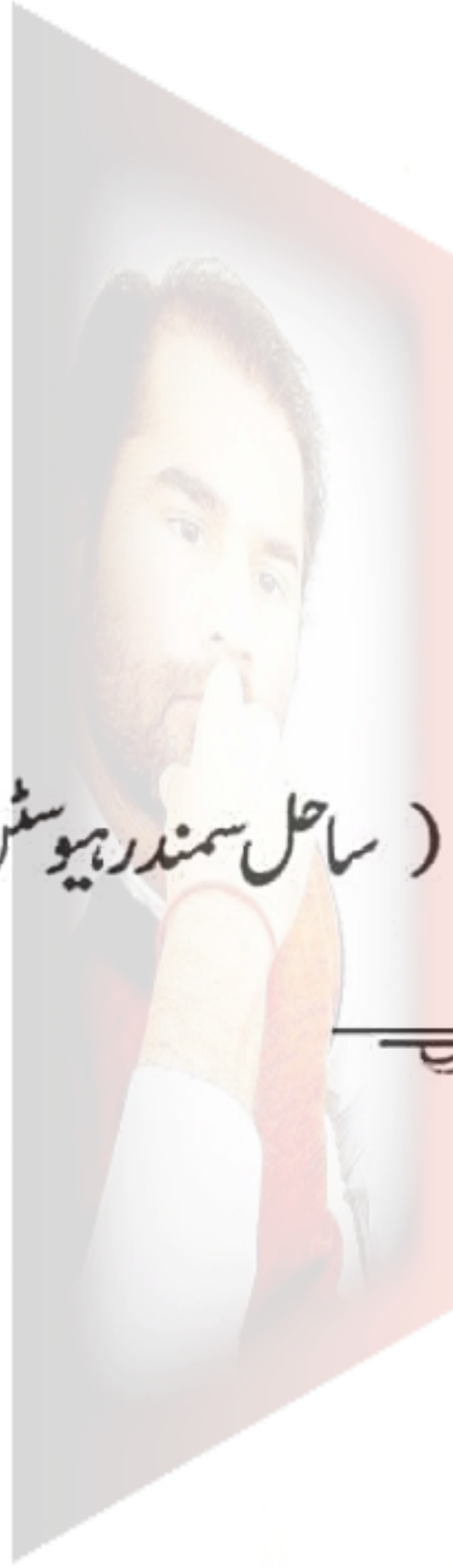
دستار بندی

احتساب کی فصلوں کے شکنجے
برف کی مانند سرد
خوشنما لباسوں میں ملبوس
کس زندہ مُردہ چہرے کے منتظر ہیں؟
کیا صدیوں پہلے بھی ان کا یہی روپ تھا؟
وہ بے نام لوگوں سے
کچھ یوں مخاطب ہوئے ہیں
کہ آ کر اپنے گناہوں کے
آتش فشاں کے لاوے
ہی ہمیں خیرات دے دو
کہ ہمارے سرد لباسوں

کو حدّتوں کی خوشبو کی پہچان
اوڑھنے کی عادت رہے
تو وہ انہیں (بے نام لوگوں کو)
زندہ رہنے کے ہر
سلیقے کی آشنائی کا
ملبوس دیں گے
ان کی خواہشوں کے
چوکور محور
منافقت کی
نئی مثلّث کو
آسودگی کی نئی مستطیل
میں بدلنے کی کوشش میں
اپنی دستار کسی کے
پیروں میں گروی رکھنے کو
تیار ہیں

نوحہ گھاؤ کا

ٹیڑھی، میڑھی گلیوں میں
لیکن اندھی آنکھیں دیکھ رہی ہیں
گڈمڈ ہوتے جسموں میں
زخموں کی آوازوں نے
ایک ایسا گھاؤ بنایا ہے
جو کوئی دیکھ نہ پائے
لیکن اندھی آنکھوں نے
سبزہ گلشن خار نہ دیکھے
چنگاری کا نور نہ دیکھا
بجھنے والا طور نہ دیکھا
جینے کا دستور نہ دیکھا

اندھی آنکھ نے جاگ کے دیکھا

عورت، شیشہ، سنگ، کھلونا

مرد اِک سایہ۔۔۔باہر سیڑھی اندر بونا

میری آنکھیں

سو کر جاگیں، جاگ کے سوئیں

ٹیڑھی میڑھی گلیوں میں۔۔۔

اندھی آنکھیں جاگ کے سوئیں

سب کچھ کھوئیں

لیکن میرا خون تو جاگے

لیکن وہ دن کب ہوگا

اپنے گھاؤ جب

اپنی آنکھ کے سامنے آجائیں گے

بادلوں کے درمیاں
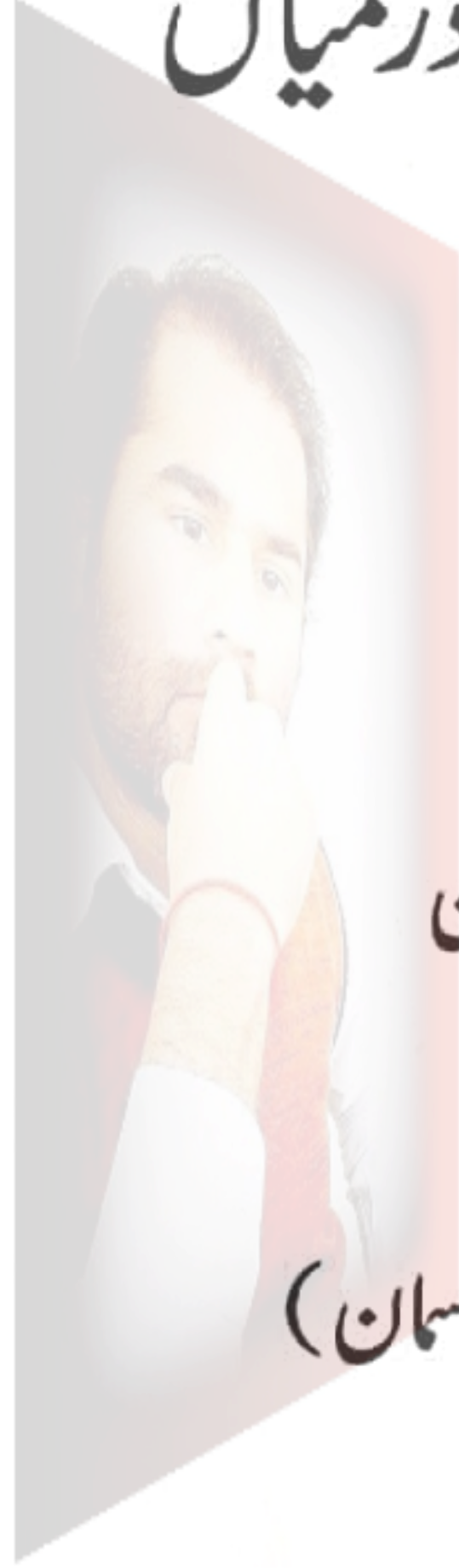
کشمکش میں ہوں میں
اور میرے خواب بھی
اب دو بادلوں کے درمیان
پس رہے ہیں ہم دونوں
میں اپنی عافیت بادل (آسمان)
میں ڈھونڈتا ہوں
لیکن میرے خواب
تو cloud کو
خدا مان بیٹھے ہیں
کہ یہی تو آنے والے کل کی کرنسی ہے

یہی وہ دولت ہے جو

شملہ اونچا کرے گی

ان کا جو

خوابوں کی تجارت

کے فرنٹ مین ہیں

ملکیت

صبح سورج کی
پہلی کرن
جب مجھ سے
معانقہ کرتی ہے
تو قصر ریحانہ کے
اندرونی باغیچے میں
رات کی رانی کا
خوشبو سے لبریز
پودا مصافحے کے لیے تیار ملتا ہے
اسے یہ زعم ہے کہ
گزری شب اس کے پہلو میں ہی بسر ہوئی کہ

بستر پر سونے سے پہلے
رات کی رانی نے
اپنی خوشبو میں
نہلا کے بھیجا تھا
مگر سورج کی
پہلی کرن کی ملکیت کا
دعویٰ
دونوں کر رہے ہیں
لیکن انہیں معلوم نہیں کہ
سورج تو روشنی
پھیلانے کی خاطر
چاند سے بھی
مک مکا کر بیٹھا ہے
اور رات کی رانی
دن بھر دھوپ میں
جلتی رہتی ہے

مُردہ پرست
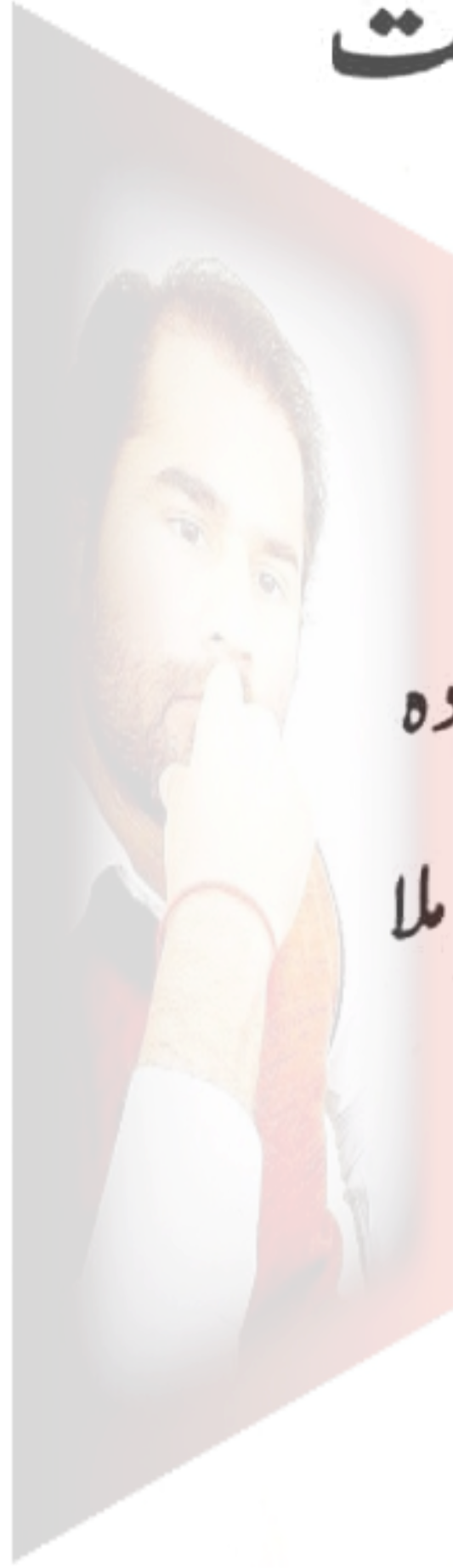
ہم کتنی ''عظیم'' قوم ہیں
ہمیں زندہ لوگوں سے زیادہ
مُردوں کی دیکھ بھال کا حکم ملا
قدم بہ قدم
ہم فون پر
بری خبر کے منتظر ہیں
کیونکہ
ہم کس کس کے
مخلص ہونے کا
کس کس کی چاہت، محبّت

اور کس کس کی اچھائی
اور کس کس کی صلاحیتوں
کو سراہنے کے لیے
اس کی موت کے منتظر ہیں
کتنے ظالم ہیں ہم

آلوٹ کے۔۔۔

ہفتے کے دن
(جمعے کی رات بارہ بجے کے بعد)
عموماً میں
شام کی چائے سے
ذرا پہلے
اپنی ای میل چیک کرتا ہوں
گزشتہ 40 برسوں کی عادت ہے
(اگر سفر میں ہوں تو استثناء)
مگر نجانے
کیوں آج آنکھ کھلتے ہی

باہر تیز و تند باد و باراں

نے مجھے گھر سے نکلنے سے روکا

میرے ذہن میں

ایک دُھندلا سا خواب

مجھے اپنی ای میل کی

سمت توجہ دلاتے

متحرک ملا

اس کشمکش میں

میری انگلیاں

آئی پیڈ پر

رقصاں ہوئیں اور دھڑکتے دل سے

میں نے ای میل کھولی

یہ تو ایپل کے Apple Park Cupertino

ہیڈکوارٹر نے کیا لکھ بھیجا ہے

ہمارے سسٹم میں

اپنی شناخت ظاہر نہ کرنے والے

ایک صارف نے

Cloud پر رکھی ہوئی

ایک فائل کی متبادل ملکیت

کا حقدار آپ کو ٹھہرایا ہے

مجھے یاد آیا کہ 2020 میں

ایک مانوس اجنبی

نے برسوں پہلے

واشنگٹن ڈی سی میں اکٹھے گزارے

ناقابلِ فراموش یادوں کے

سنہرے دن Apple کو

cloud کے لئے دان کئے تھے

شاید سال بھر بعد

لاسلکی نظام نے

متبادل کا پوچھا تو

گزشتہ صدی سے دونوں کے درمیان

سیئٹل (Seattle) اور اسلام آباد (Islamabad)
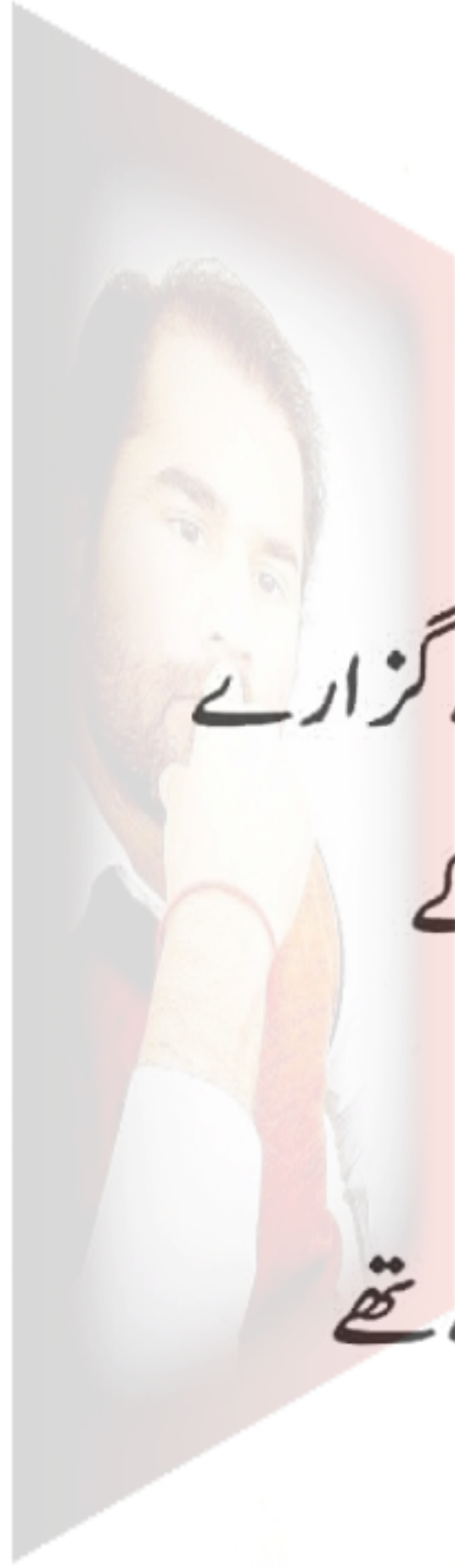
کی ''مجبور اور محصور'' دُوری

کا تاوان دینے کو

اسے بالآخر

ایک بار پھر

خاک نشین کو

چننا پڑا

Thankyou

cloud

for virtual

reunion

کنچے
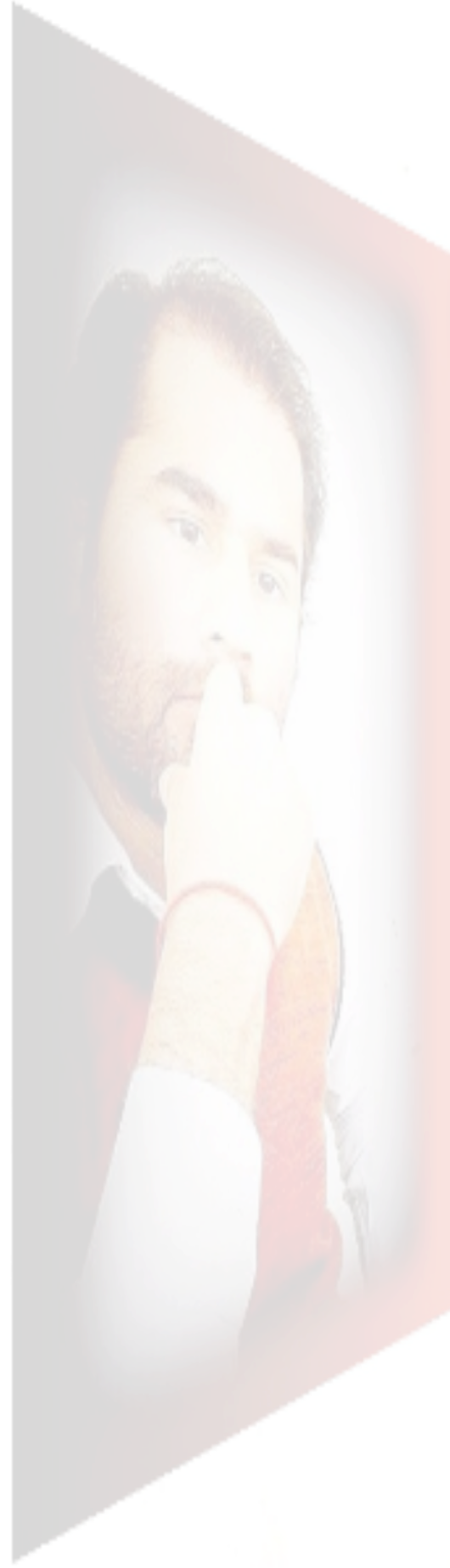
خدائے ذوالجلال کا
لاکھ لاکھ شکر
کہ اس کی رحمتوں کا
سایہ قائم ہے
مگر جب کبھی تنہائی
مجھے مایوسی کی دلدل میں
دھکیلنے کی سازش
کرتی ہے
تو میرے اندر بیٹھا ہوا
معصوم سا بچہ قلقاریاں
مار کر باہر آجاتا ہے

اور میری اُنگلی پکڑ کر
مجھے کتابوں سے بھری
قد آدم شیلف کے سامنے
کھڑا کر کے کتابوں کے
درمیان چھپائی ہوئی
کانچ کی ایک خوشنما بوتل
نکال کر
مجھے کارپورچ میں
دھکیل دیتا ہے
ارے یہ کیا
قصرِ ریحانہ
میں داخل ہونے والے
میری عیادت کو
میرے صحافی دوست
اس مریض کو
ایک چھوٹے

بچے کی طرح

گھٹنے

کے بل بیٹھ کر

کنچے کھیلتے

دیکھ کر ششدر و پنج میں ہیں

انہیں شاید معلوم نہیں

کہ مایوسی کے اس کیکٹس کو

بابے نے

اپنی وِل پاور (Will Power) سے

اور کنچوں کی مدد سے

شکست فاش دی ہے

کنچے میرا ہتھیار

جس سے کھیلنے کے لیے

مجھے اپنے پاؤں کی

سلامتی یقینی بنانی ہے

مجھے گزری کل بھی یاد ہے

جب میں 24 گھنٹے میں

ایک آدھ پل

اپنے زخمی پیروں پر

کھڑا ہونے کی خاطر

کتنے ہی سہاروں کا منتظر تھا
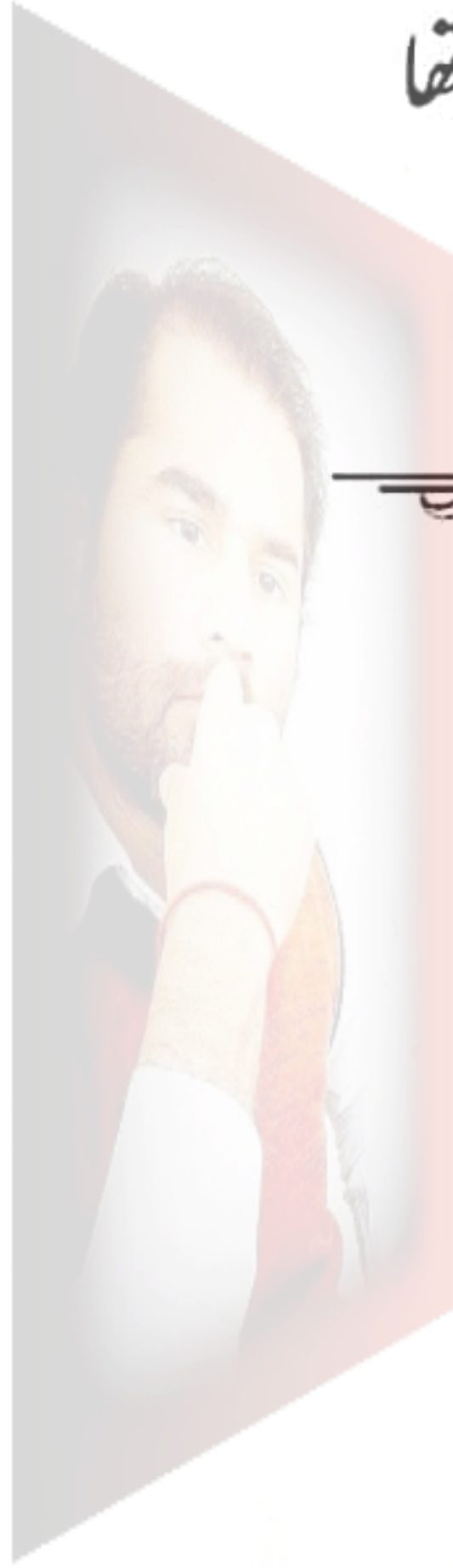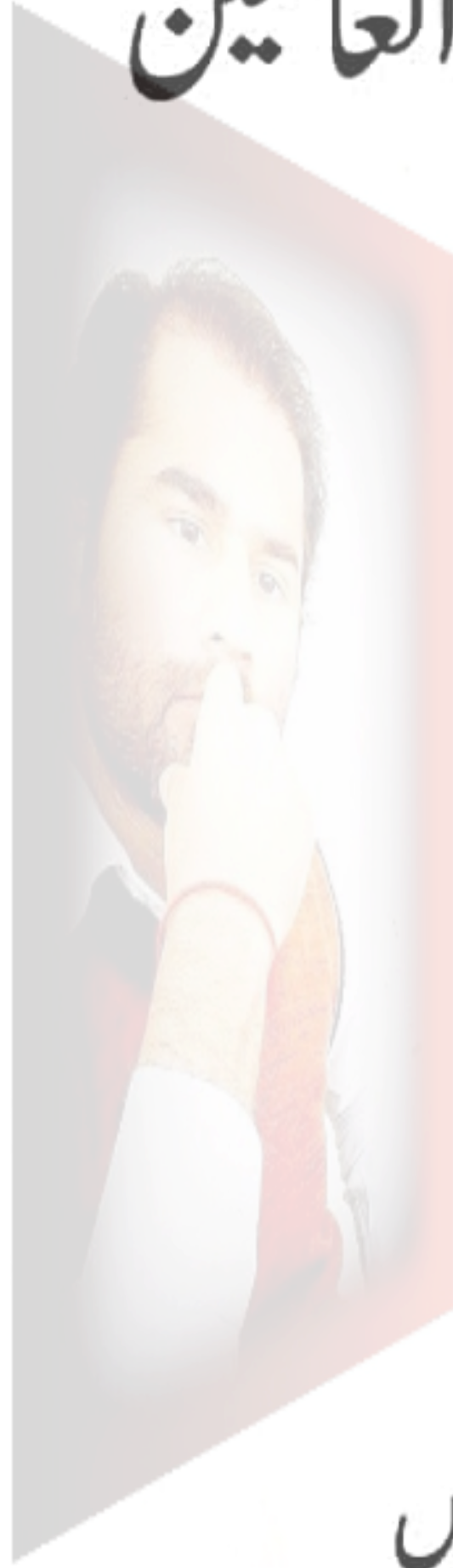
الحمدللہ رب العالمین

شکر ہے ربِ کریم کا

جس نے

حی الصلاح کی آواز پر

زندہ شخص کو

ایک نئے دن کی نوید دی

ادھر دن کے جھٹ پٹے میں

جونہی اس نے

سورج کی پہلی کرن سے

آنکھ ملانے کی کوشش کی

تو اس کی ننھّی منی دوست

چڑیا نے اپنی مخصوص چہکار میں

سلام کرتے ہوئے

پانی کے اپنے برتن

کی طرف زقند بھری جسے

میں نے ابھی ابھی بھرا

اور دوسرے برتن میں

''مستقل مہمانوں'' کے لیے

راشن بھی ڈالا تھا

میری دوست کا

اپنی مخصوص چہکار میں

خوراک اور پانی کی دستیابی کا اعلان

لاٹھی بردار بابے کے لیے

واک شروع کرنے کی علامت

ابھی بمشکل سو گز کا

فاصلہ طے ہوا ہوگا

کہ مجھے محسوس ہوا کہ

میں بادلوں کے نرغے میں ہوں

اور چھکار سے ایک موسیقی

پیدا ہو رہی ہے

لیکن میرے پاس سے

گزرتے تمام لوگ

بڑبڑاتے ہوئے مسکراہٹ پھینک رہے ہیں

ایک آواز میرے کانوں سے ٹکرائی

چڑیوں والا بابا

اور میرے دوستوں کا جمِ غفیر

ڈی ایچ اے ٹو کے

سنٹرل پارک میں میرے ہمراہ

مجھے اس حقیقت سے آشنا کر گیا کہ

جو مجھے رب نے دیا

میں نے اس میں سے

اپنی اوقات کے مطابق

چرند پرند میں

اس کے حکم پر

تقسیم کر دیا اور

اس کا شکریہ ادا کرنے

میرے ساتھ واک میں سایہ فگن

اور ہم سب انساں

ربِ ذوالجلال کی مہربانیوں

اور اس کی دی ہوئی نعمتوں پر

شکرگزاری سے کیوں محروم ہیں

یہ بھی اس کی عنایت کہ

وہ اپنا شکریہ ادا کرنے

کس خطا کے پُتلے

کو چُنتا ہے

برگد
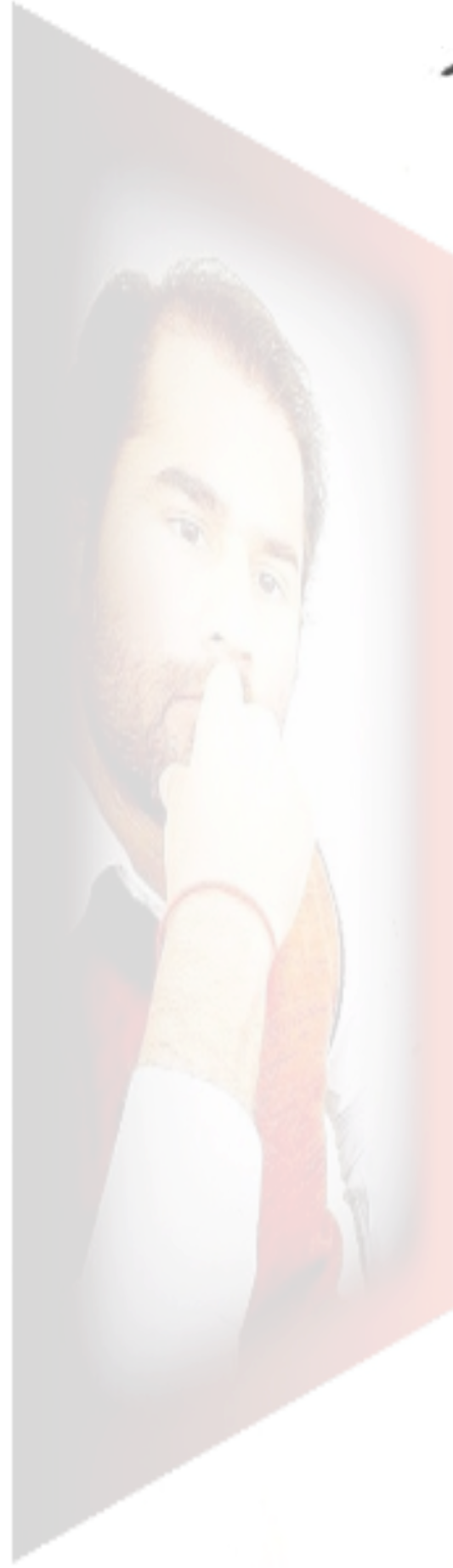
وہ گاؤں میں
برگد کے نیچے
درخت کی
جڑوں سے
کھیل رہا تھا تو
اس نے سنا
"یہ نیا پاگل ہے"
یہاں سے گزرتے
لوگوں کو کیا معلوم
کہ یہی برگد تھا

جس نے اسٹینفورڈ(Stanford)

چھوڑ کر گاؤں آنے پر مجبور کیا

برگد تلے وہ

ان ادھورے خوابوں کو

ڈھونڈتا ہے جن میں کچھ کی تعبیر

پالو آلٹو(Palo Alto)

میں وہ چھوڑ آیا ہے

بانجھ پن

اب تو چاروں طرف
نیلا تھوتھا
نئی لاسلکی ترغیبات
پیکج کے خوش نما نام پر
جسم و جان میں انڈیلا جا رہا ہے
جسے دیکھو وہ معاشرتی بانجھ پن کا شکار
کہ اس کی زندگی بجائے جستجوئے علم کے
Cloud اور گوگل میں پھنسی ہوئی ہے

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے

ویگن کے انتظار میں
چلچلاتی دھوپ میں
سڑک کنارے سرکاری شیڈ میں
کھڑے ایک نوجوان سے
میں نے پوچھا کیا کرتے ہو
وہ ہنستے ہوئے کہنے لگا
اپنے باپ کی کمائی کو
بینک والے
فوٹوسٹیٹ مشین والے اور
ڈاک خانے والے پر
کھلے دل سے اُڑاتا ہوں

کس نے کہا

میں تعلیم یافتہ ’’بیکار‘‘ ہوں

اگر نوکری کے بہانے

مجھ سے میرے باپ کی

محنت مشقّت کی کمائی

’’کوئی بٹورتا‘‘ ہے

تو میرے نہیں

کم از کم فوٹو کاپی والے کے گھر

کوئی بھوک پیاس سے

بلبلاتا نہیں

اور کم از کم مجھے

مفت میں

یہ سایہ شجر تو

دستیاب ہے

اب میں بوڑھا سمجھا

’’آدھے بھرے گلاس کا حسن‘‘

ماسٹر جی شکریہ
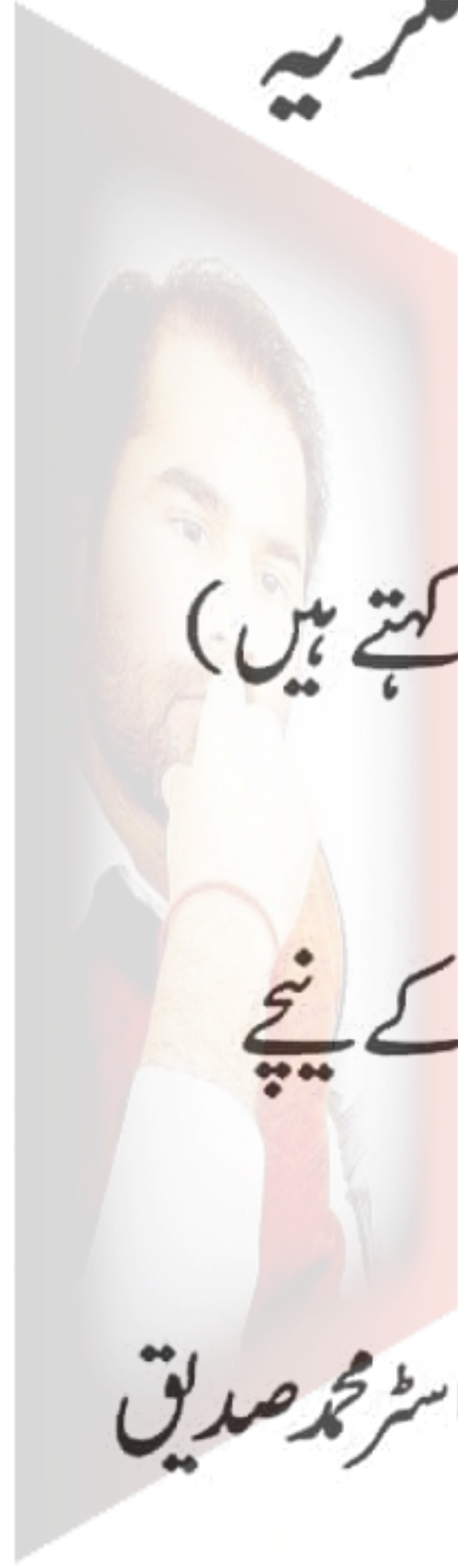
گاؤں کی کسّی

(شہر والے اسے pond کہتے ہیں)

کے برابر میں

شیشم کی ٹاہلی (درخت) کے نیچے

خربوزے کے باغ میں

بیٹھا میرا اہم جماعت سنگی ماسٹر محمد صدیق

حقہ گڑگڑاتے ہوئے

بہت زیادہ خوش تھا

کہتا تھا

ساری پنشن

مودے پتر نوں بھیج کے آرہا ہوں

میرے پوتے کی فیس نکل آئے گی

میں نے پوچھا

کوئی بچت کر کے رکھی تو

فلک شگاف قہقہہ لگا کے بولا

طارے باؤ
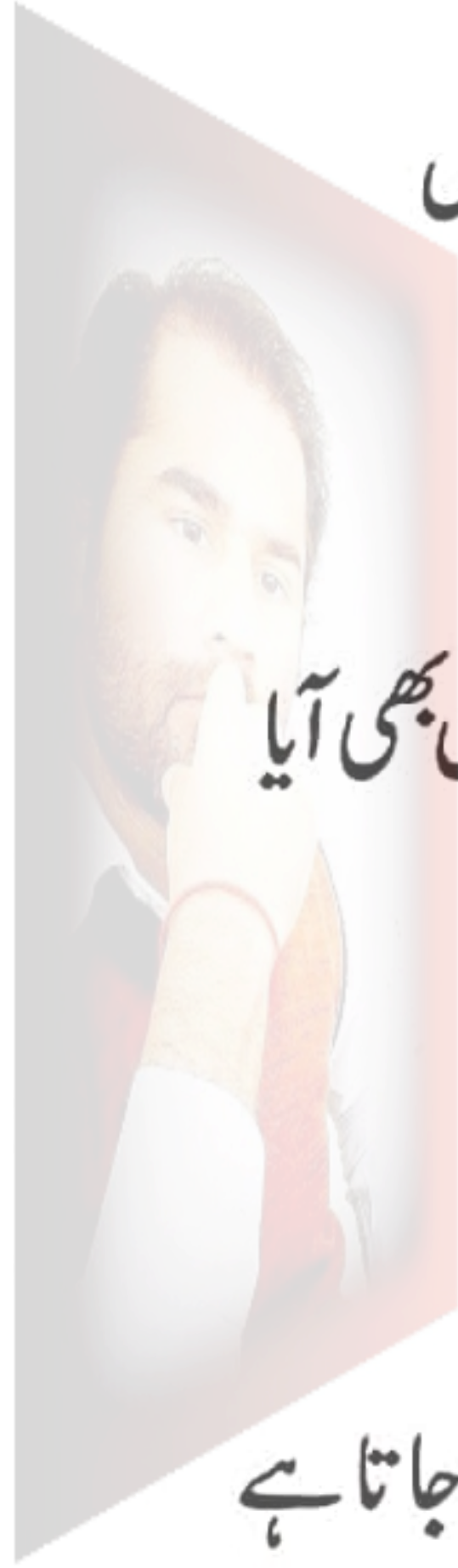
یہ تم شہریوں کے جنجال ہیں

مجھ اکیلی جان کا کیا ہے

مر گیا اور

میرا ایک ہی شہزادہ پتر نہیں بھی آیا

تو چوپال کے سنگی

یا پھر کمیٹی والے

کفن دفن کر ہی دیں گے

قبر میں پیسے کون لے کے جاتا ہے

اور میں خاموش خلاؤں کو

تکنے لگا

ماسٹر جی شکریہ

”ماسٹر ہمیشہ سکھاتا ہے“

وہی ایک لمحہ

وانگیکی بیچ کے ڈائمنڈ ہیڈ
کی طرف
نسبتاً کم مصروف کیپولانی پارک کی
چھاؤں سے کچھ پرے
ساحل کی ریت پر
اس کی اُنگلیوں نے
"کسی اپنے" کا ہیولیٰ تراشا
تو وہ "ایک لمحے"
کا قیدی بن گیا تھا
اس نے بحرالکاہل میں

ڈوبتے سورج سے
آنکھیں ملائیں
تو وہی ایک لمحہ
اشک بن کر
اس ہیولیٰ پر گرا اور
ایک اونچی لہر کے تھپیڑے میں گم
ریت اپنے اک نئے
مصوّر کی
منتظر ٹھہری

ہمزاد؟

اپنے من میں
ہزاروں ٹن کدورتیں لیے
دوسروں میں کوتاہیاں
ڈھونڈنے کے اولمپکس میں وہ
فنش لائن پار کرتے
ہوئے سوچتا ہے
میرے اندر کی
غلاظت کی تشخیص کا
گولڈ میڈل
جیتنے والا تو
میرا اپنا ہمزاد ہے
اس سے کیسے بچوں

بدقسمت؟

انا کی جنگ کا

وہ اکیلا سپاہی،

اپنے آپ کو خود ہی

زخمی کرتا اور پھر

اپنی ہی جیل میں

قید کر کے

خود ہی دربان کا

رُوپ دھارتا ہے

کیا وہ بدقسمت ہے؟

جسے کروڑوں کی آبادی میں

ایک بھی دشمن

میسر نہیں

ون وے ٹکٹ

وہ سپنوں کے جزیرے کا

ون وے ٹکٹ

لے کے خوش ہے

لیکن اس کو کیا معلوم

کہ وہاں خواب قومیائے گئے ہیں

اور عالمی گل فروشوں کے

ہاں بھوک مٹانے کے

بدلے گروی رکھے گئے ہیں

ترسا ہوا بچہ
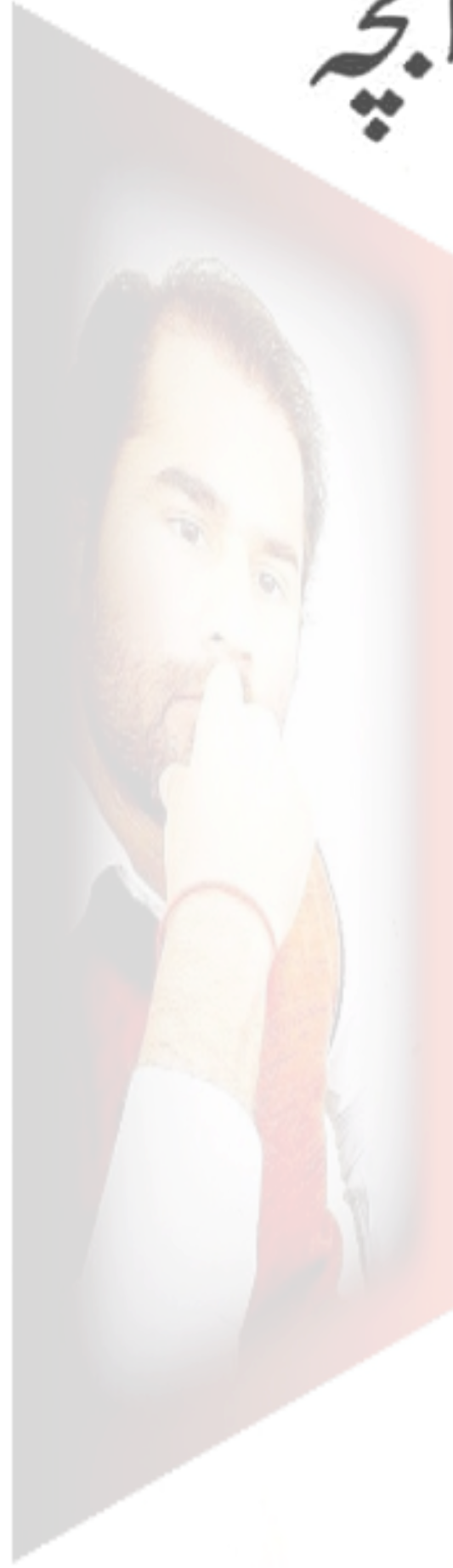
روزانہ دوپہر کو
آج کل بلاناغہ
وہ اپنے ہاتھوں کی
پشت کو
سہلاتے ہوئے
روتا ہے اور
دعائے مغفرت
وہ اپنی اماں کے
واسطے پڑھتا ہے
اسے بچپن کے
وہ دن شدت سے

یاد آتے ہیں
جب اسکول سے
واپسی پر
اس کی اماں
بستہ رسوئی میں
چوکی پر
پھینک دیتی تھیں
اور اس کے ہاتھ
پکڑ کر دیر تک
چوما کرتی تھیں
اور کہتی تھیں
بیٹا تو نے تو
سبق یاد کیا تھا
پھر ماسٹر نے
ڈنڈے سے
تجھے کیوں مارا
چاہے ماسٹر کی

مار سے کسی روز
میں بچ بھی جاتا
لیکن میری اماں کی
یہ محبّتِ لاثانی
میں اسی جنت مکانی کے
پیار بھرے لمس کو
ترسا ہوا ہوں
ترسا ہوا بچہ
ہوں میں

پانچویں دنیا
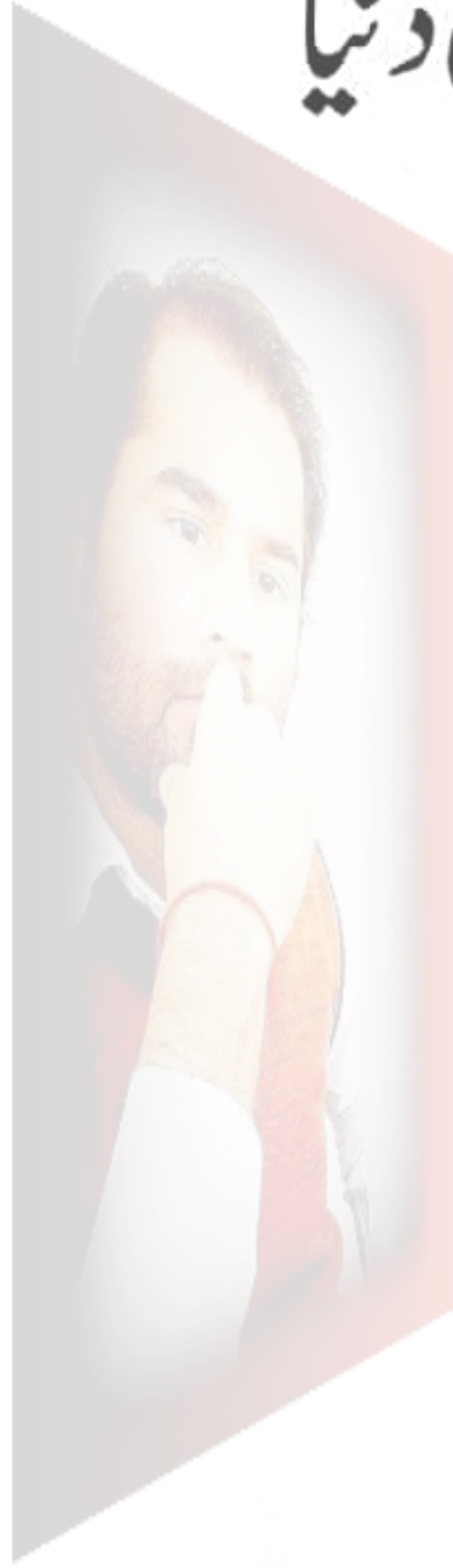
ہم ایک ایسی

دنیا ایجاد

کرنے لگے ہیں

جہاں پر

دل پر رکھنے والے

پتھر کے بیوپاری

بے ضمیری کا

انرجی سیور

بیچنے والوں

بے حسی کا کوہ ہمالہ

دکھائی دینے والوں

لعنت ملامت کا

بحرِ اوقیانوس لگنے والوں
کنکر کو پتھر بنانے کا

بحرا لکاہل معلوم ہونے والوں
شاخ زیتون کے

خودساختہ موکلوں
ہتھیلی پر چاند
رکھ کر اسے
تسخیر کرنے کے خواہاں
زخموں پر نمک چھڑکنے
کے چیمپئن
بین الاقوامی شاطروں کو
مفت شہریت دی جائے گی
آخر ہم نے بھی
تو اس دنیا پر
راج کرنا ہے نا

سبق

وہ اپنی کھوپڑی
چند سکوں کے عوض
گروی رکھ کر
''خوراک'' لے آیا ہے
کیونکہ بیوپاری نے
اس کے جثّے میں سے
صرف کھوپڑی کو
یہ کہہ کر خریدا
ہمارے ویئر ہاؤس میں
اس کا زیادہ بھاؤ ہوگا

ورنہ کسی ہوم لیس (Homeless) کی طرح

اس کو کوئی

ٹھوکر بھی نہ مارے

اپنی ''میں'' میں گم دنیا والو

سبق، ہاں سبق

بٹوارہ

کتنا ظالم سماج ہے
زر سے زمین تک
ہر ایک شے میں
حصہ مانگتا ہے
لڑنے مرنے کو تیار
مگر دکھی دل کی
آہ و بکا اور
درد و الم
کے سمندر کا
بٹوارہ کوئی بھی اپنانے اور
پسند کرنے کو تیار نہیں

ایک کِلک
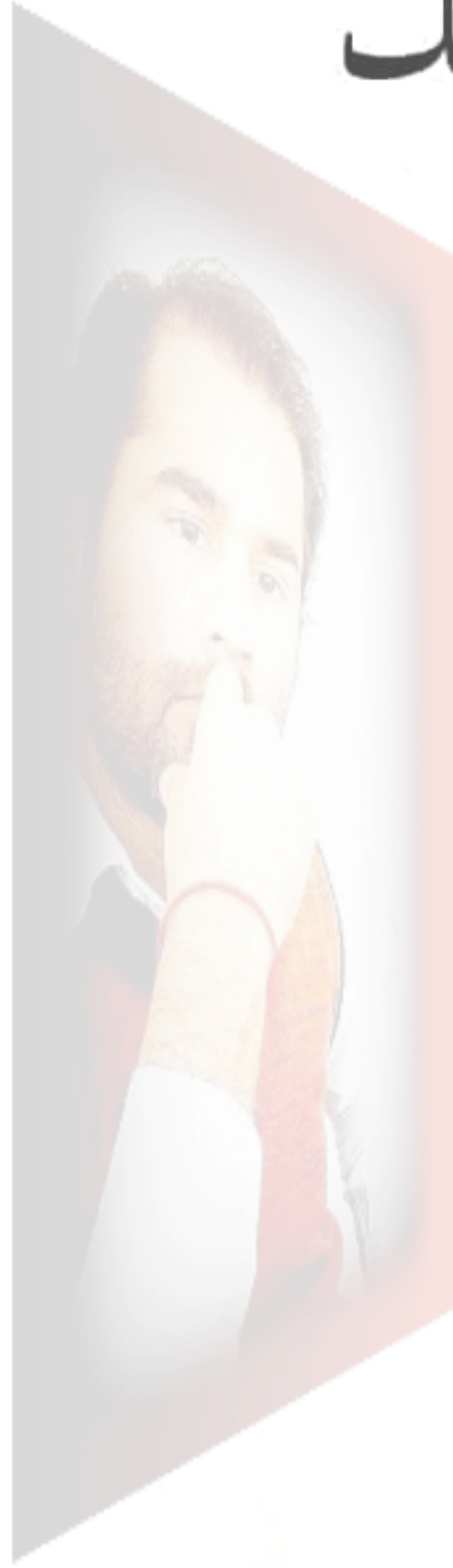
وہ ناتواں قدموں سے
چل رہا تھا
دور سے جس نے
اسے دیکھا وہ سمجھا
جھولتا ہوا یہ شخص
نشئی ہے
ارے یہ کیا ہوا
یہ تو مر گیا ہے
اس کے گرد گھیرا
ڈالتے ہجوم میں سے
آواز آئی

مجھے یاد آیا

اسے میں نے صبح

گول چوک میں

سڑک کراس کرتے

اپنی گاڑی کے

نیچے آنے سے

بچایا تھا جہاں

ایک بڑے شامیانے میں

کسی خودساختہ وی آئی پی

کے ہاتھوں خیرات کا

راشن بٹنے والا تھا

مگر یہ تو خالی ہاتھ تھا

اوہ میرے خدا

یہ کیمرے پر

اپنی عزتِ نفس کا

سودا نہ کر سکا
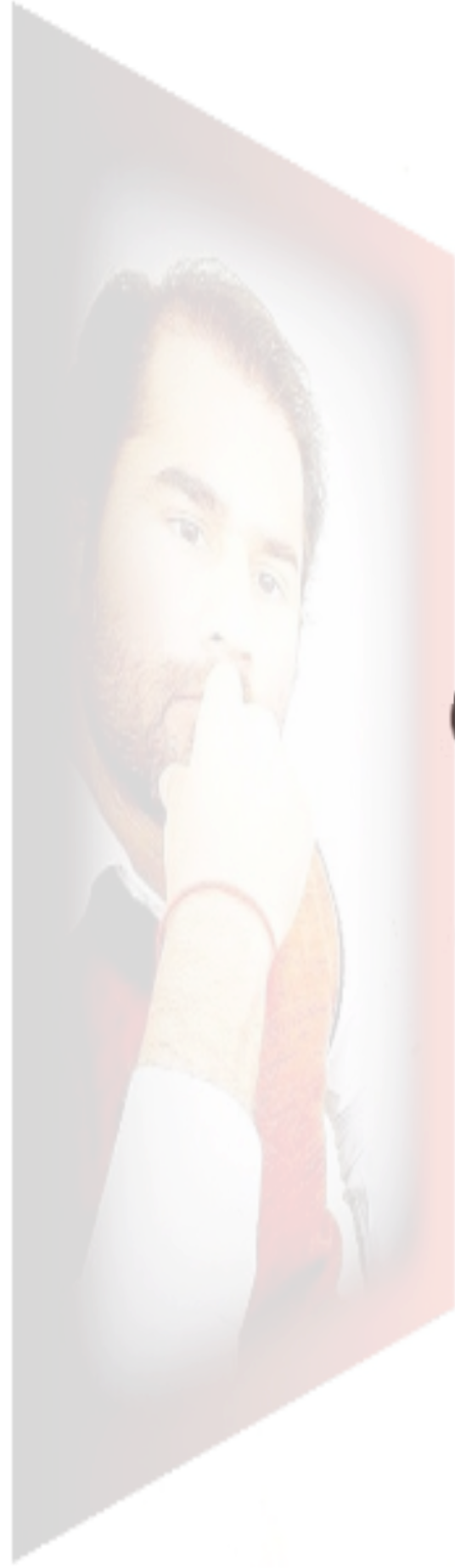
اور مر گیا

ایک اللہ کی زمین پر

ایک کلک سے ڈرنے والے

تیرے جیسے کتنے ہوں گے

بیانیہ

آؤ مل کر ایک نیا
عمرانی معاہدہ کریں
جس میں زندگی کا
ہر سبق
ہر سفر
ہر اُمنگ
ہر خواہش
مجھ سے
شروع ہو
کر

مجھ پر
ہی تمام ہو
یہی نیا بیانیہ ہے
جس میں گزرے ہوئے کل
کا کوئی بھی پَرتو نہیں

(نیویارک ۲۰۱۹ء)

سکہ

کینکن میکسیکو میں
بحر کیریبین کے
زونا اوتلیرا ساحل کی
ایک بھیگتی شام
وہ جب آتی جاتی لہروں سے
زندگی کی بے ثباتیوں کو پڑھنے
کی کوشش میں اکیلا مصروف تھا
حقیقت یہی ہے
(یہ ساحل اکیلے بندے کے لیے نہیں بنا ہے)
ڈوبتے سورج کی سونا اگلتی شعاعیں
بپھرتے پانی پر منعکس ہو کر

سرابِ حیات سے آشنائی دے رہی تھیں
بھرپور ساحل پر میری
تنہائی ریت سے لکھی ہوئی تھی
اتنے میں ایک خوبرو دوشیزہ کی
سُریلی آواز نے اس کی
سوچوں کا سلسلہ بکھیر دیا
اس نے ہسپانوی زبان میں
مجھ سے کہا کہ وہ
گھونگھوں سے بنی سیپیوں کا ہار
Amo Mexico
(I Love Mexico)
بیچ رہی ہے جس کی
قیمت اس نے، ظاہر ہے
میکسیکو کے ساحل سمندر پر
چھٹیاں گزارنے والے سیاحوں کی
جیب کے حساب سے
بس بہت مہنگی لگائی ہوئی تھی

میں نے ایک اچٹتی نظر

اس پر ڈالی اور لرز کر رہ گیا

چیختی اُداسی اور ویرانی

چہرے پر اس کے

لکھی ہوئی تھی

میں نے اس سے کہا

ذاتی سوال پوچھا جا سکتا ہے

میکسیکن سوونیئر کے

ایک ممکنہ خریدار

سے کہا گیا پوچھیں

تم کب سے بھوکی ہو؟

ایک پُروقار مسکان کے ساتھ جواب آیا

نجومی ہو اور تنہا بیٹھے ہو

پھر کہنے لگی

کیا تم نے میکسیکن پیسو

کا سکہ دیکھا ہے

اس کے دونوں رُخ دیکھے ہیں

اس ساحل سے چند میل پر
بھوک پیاس کی ایک اور دنیا ہے
سکے کا دوسرا رخ
جو تم سے آسودہ
حالوں کو کیا معلوم
تم سینکڑوں ڈالر تفریح پر
خرچ کر دیتے ہو
لیکن اُس دُنیا کے
باسی سے چند ڈالر کا
سوونیئر نہیں لیتے
کیونکہ تم نے
ہمیشہ اپنی طرف کا سکہ
دیکھا ہے
سنو
بھوک کا کوئی
مذہب اور قومیت
نہیں ہوتی

نوشتۂ دیوار
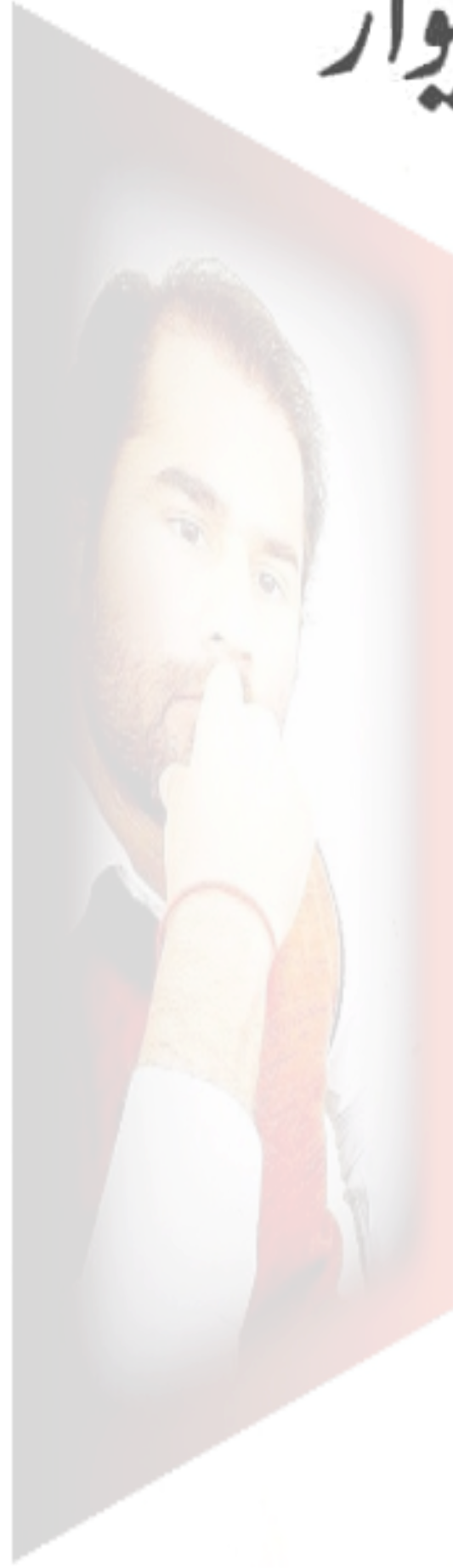
اس نے درد کی
شدت محسوس کرنے کے
باوجود ہسپتال جانے سے
انکار کردیا اور
بچوں کو کہنے لگا
کبھی کبھی بستر پر گھنٹوں
لیٹے رہنے سے بھی
طبیعت مندی ہو جاتی ہے
باہر کھلی فضا میں جانے سے
اور ہلکی ورزش کرنے
سے میں تروتازہ ہو جاؤں گا

بچے اپنے اپنے

کام پر چلے گئے

اور خدمت گار نے

بازار کا رخ کیا ہی تھا کہ

اس کے اسکول کے کلاس فیلو

مودے کا فون آ گیا

یہ دونوں پچھلے 40 برس

سے کم و بیش روزانہ

ایک دوسرے کی خیر خیریت

پوچھا کرتے تھے

اس نے کہا کہ

وہ قابلِ برداشت تکلیف

میں ہے مگر

وہ اپنی بچی کھچی جمع پونجی

ہسپتال جا کر

لٹیروں (سب ایسے نہیں)

کے حوالے
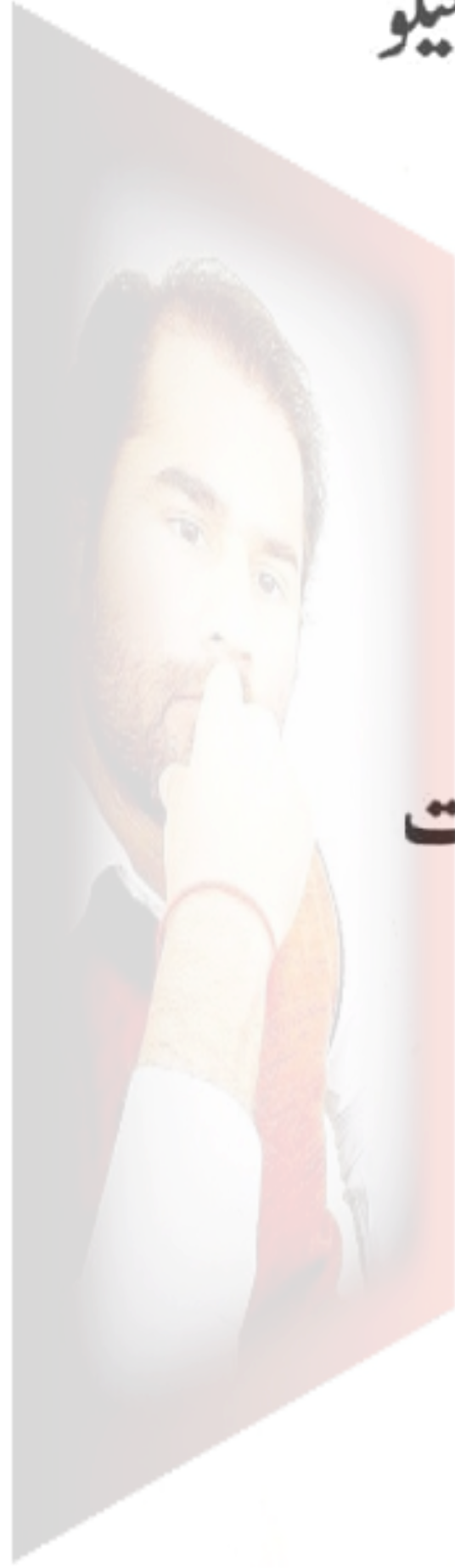
نہیں کرنا چاہتا

کیونکہ جب اس کا وقت

پورا ہوگا تو

ڈاکٹر کیا

تو ہسپتال کیا

اور اسے معلوم ہے کہ

بظاہر ہنستی مسکراتی دنیا کے پیچھے

کیا کیا دکھ لکھے ہیں

اور دکھ کا علاج بھی پیسہ

آج اور کل
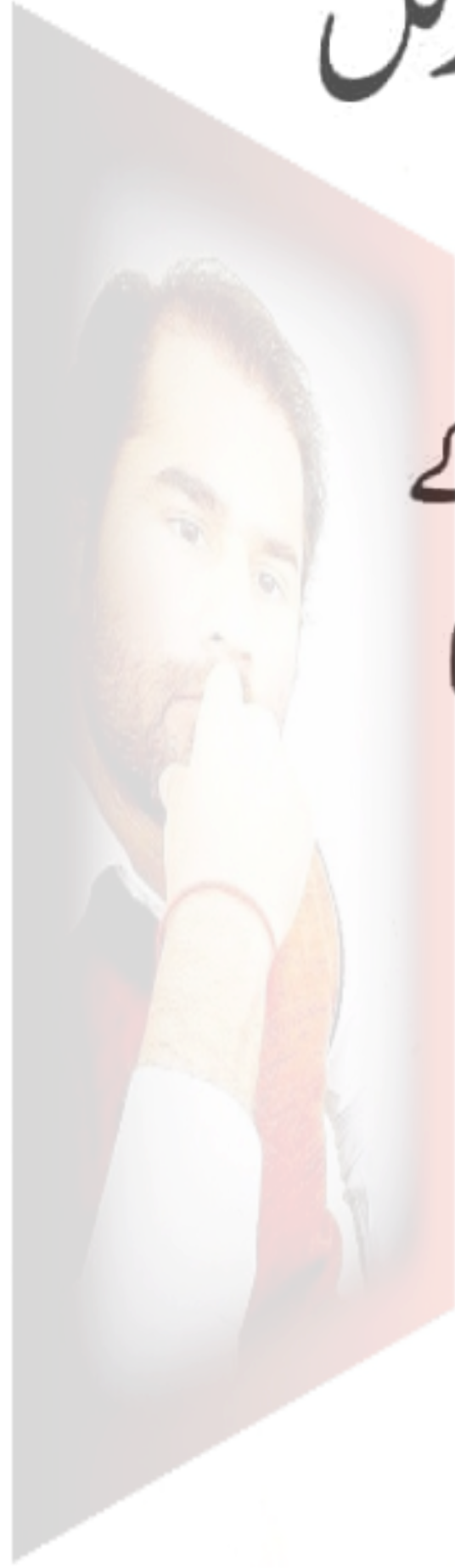
ابھی ایک اجلاس ختم کر کے
وہ دفتر میں داخل ہوا ہی تھا
کہ انٹرنل فون کی گھنٹی بجی
بگ باس کا فون
بہت دن ہوئے
آپ سے ملاقات کو
حاضری ہوئی
پوچھا گیا ماشاءاللہ
آپ سینئر افسر اور
آپ کے کمرے سے
اکثر آنے والی آوازیں

لگتا ہے شدید بحث و تکرار

عرض کی

پارکنگ لاٹ میں قصہ گوئی

سے فرسٹ ہینڈ

ڈائریکٹ مکالمہ

اس لیے بہتر کہ

کمپوز ہو کر بات

کرنے کے فن کو

جونیئر افسروں کو اس

انداز میں سکھانا کہ

کل جب سرکاری سلطنت کی

چمک دمک

رُخصت ہو تو پھر بھی

راہ چلتے سلام و دعا

اور احترام باقی رہے

''جواب سے اختلاف نہیں''

لیکن جب بھی تاریخ

لکھی جائے گی تو
باس اور دوست باس کی ''تفریق''
صفحۂ قرطاس پر
کچوکے لگاتی رہے گی

خود احتسابی

جب بھی خود احتسابی کے بارے سوچا
تو محسوس ہوا یہ دنیا کا سب سے مشکل کام ہے
لیکن کام تو کام ہے نا
دوسرے کی طرف انگلی اٹھانا
سب سے آسان کام
لیکن اپنی طرف اپنی ہی
بڑھتی ہوئی انگلیوں کا کوئی حساب نہیں

دھوکہ

ہم جب کسی بھی دوسرے کو
دھوکہ دینے کے لئے
اپنی تمام تر منفی توانائیاں یکجا کر رہے ہوتے ہیں
تو اصل میں ہم اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہوتے ہیں
خود سچ کا سامنا کرنا
آفاقی حقیقت ہے مگر ہماری آنکھیں
''ہمیں'' دیکھنے کی ''کوشش'' نہیں کرتیں
مبادا پردہ چاک ہو جائے

نامکمّل کتھارسس
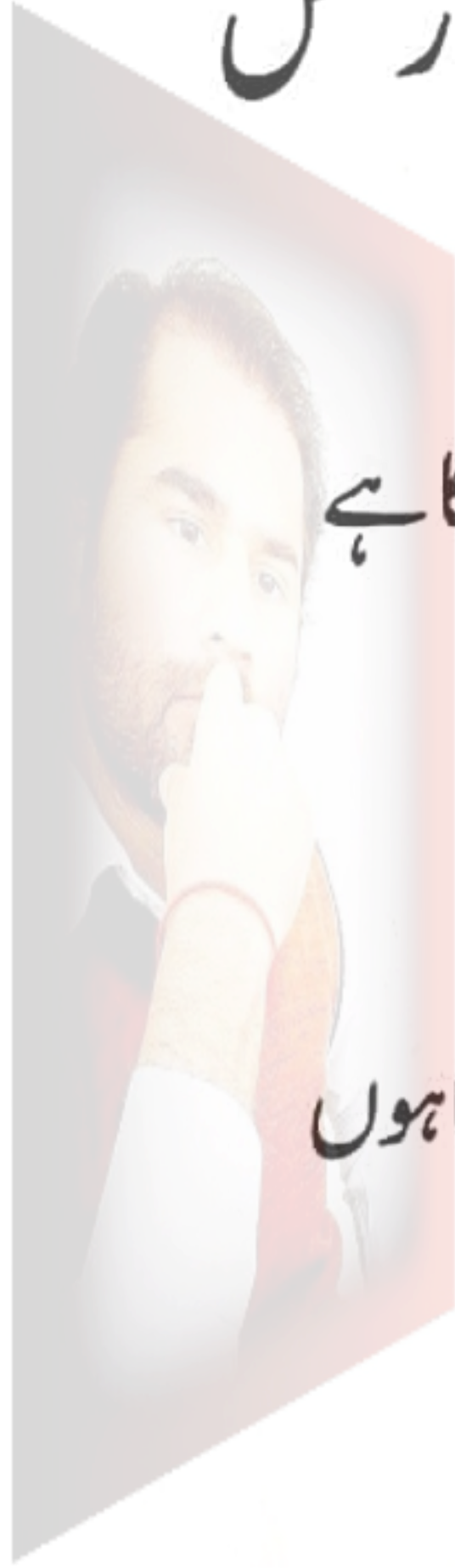
مجھے خود سے حسد ہونے لگا ہے
کہ جب بھی میں
خودکلامی کے سفر پہ
تن تنہا نکلنے کا ارادہ باندھتا ہوں
تو میرا ہم زاد
اپنی باہیں پھیلائے
مجھے قید کرنے کی آزمائش
سے گزرتا ہے
مجھے محسوس ہوتا ہے
کہ میرے جسم کے اندر

پیار و محبّت کی جو اک نئی
چپ (chip) کام کرتی ہے
ردِ بلا کے طور پر اس میں
ہزار گیگا بائٹ حسد
فعال کر دیا گیا ہے
کہ یہ بندہ خدا
''اوقات'' میں رہے

ٹیبلٹ

میں نے لڑکپن میں
ایک معالج کی زبانی
ٹیبلٹ کا لفظ سنا تھا
جب مجھے سی ایم ایچ
کی ایمرجنسی میں لے
جایا گیا تھا
آج برسوں کے بعد
ٹیلی ویژن کی جھلملاتی
سکرین پر میں نے پڑھا کہ
اسکول کے بچوں میں ٹیبلٹ
مفت تقسیم ہوں گے

تو میری آنکھ میں

وہ منظر گھوم گیا

جب اسکول کے سامنے

سڑک پار ایک نوعمر بچہ

چاول چنے کے سٹال پر

کمائی کا منتظر تھا کہ

جب وہ اپنے گھر کو لوٹے تو

اس کمائی سے اپنی ماں

کے لیے بھوک مٹانے کا

ٹیبلٹ لے جا سکے

اسکول کے سامنے کی سڑک کے

دونوں کنارے

مقامی اور بین الاقوامی سوداگروں

کے درمیان

ٹیبلٹ

ڈھونڈتے ہیں

او ٹو (O_2)

ہم نے خدا کی
ودیعت شدہ نشانیوں سے
کوئی سبق نہیں سیکھا
ہمیں اپنی اوقات دکھانے
کا بہت شوق ہے
کیا ہماری نسلیں آنے والی کل کی
ایچ ٹو او (H_2O) اور او ٹو (O_2) کی جنگ
کے لیے تیار ہیں
مگر ہم تو اپنی شان بڑھانے کے لیے
دشنام طرازی کی ساری
حدیں پار کر چکے ہیں

مجھے کوئی ابن الہیثم
کوئی خوارزمی نہیں ملتا
میری سرزمین اتنی بانجھ تو نہیں مگر میری توانائیاں
زبانی جمع خرچ کرنے والوں کے ہاتھوں
گروی رکھی ہوئی ہیں
مجھے ایچ ٹو او (H_2O) بچانا سکھایا نہیں گیا
لیکن عہدِ کرونائی میں
او ٹو (O_2) کے ملنے نہ ملنے کے المیے بھی
خود پرستی کی نمائش گاہ میں
اپنی چیرہ دستیوں کی نئی کہانی
کی پرانے حرفوں سے
انوکھی تشریح کر رہے ہیں
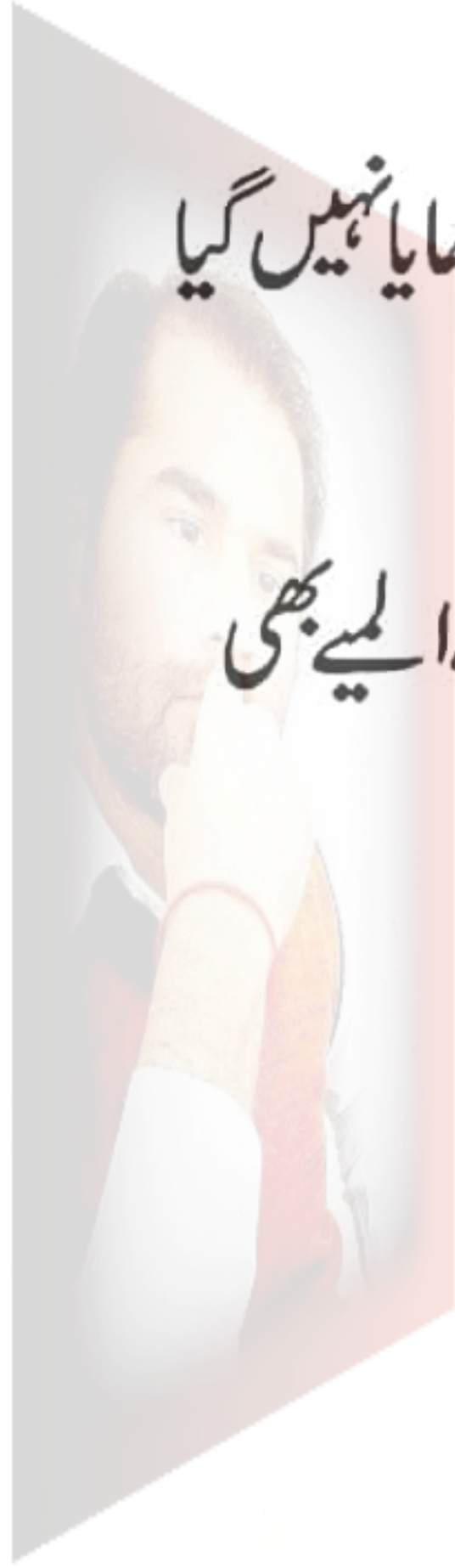
بُغضِ معاویہ

ربِ کریم سے اس ایک

''نادر'' لمحے کا شکریہ ادا کرنے کو

میرے پاس الفاظ نہیں

جب ''بُغضِ معاویہ'' نے میری زندگی کو

ایک نئی توانائی اور نئی روشنی سے

ہمکنار کیا

وہ روشنی جو نوجوانی میں

بقا کی خاطر فائلوں میں کہیں دفن ہو گئی تھی

مجھے کسی ''مہرباں'' نے اپنی ''نادانی'' میں

اسّی ہزار دوستوں کا تحفہ دیا تھا

وہ دوست جو آستین میں بھی نہیں ہوتے
اور جو پیٹھ پیچھے برائی بھی نہیں کرتے
جن کی موجودگی نے
مجھے آج تک جوان رکھا ہوا ہے

اور
الحمدللہ میں معاشرے کو
نئی کتابوں کی صورت میں
اپنی زندگی کے تجربات لوٹا رہا ہوں
میرے ''مہربانو'' آپ کو میری طرف سے
چار☆ نئے دوستوں کا تحفہ مبارک ہو

☆ میرے چار شعری مجموعے

حکم ہے معالج کا

بہت ہو چکا صاحب
اب چھوڑیے لکھنا پڑھنا
حکم ہے معالج کا
جائیے جا کے سسکتی ہوئی زندگی کا مطالعہ کیجیے
جائیے جا کر اس یتیم کی آنکھ کا آنسو پڑھیے
جس کے باپ نے آپ کے کل کے لیے
اپنا آج قربان کیا ہے
مگر صاحب ہم تو بے حس ہیں
ہمیں ''اپنے آپ'' سے آگے
کچھ دکھائی نہ دے

کتابوں کے رسیا تمہیں شیلف پہ رکھی
ہوئی یہ کتابیں صرف اپنے اسٹیٹس کی خاطر پسند ہیں مگر
ان کے اندر زندگی کے جو سبق لکھے گئے ہیں
انہیں پڑھنے کے لئے ''ہمارے اور تمہارے'' ہاں
''دیدۂ بینا'' نہیں ہے

شناخت؟

صدیوں سے پھیلی ہوئی اذیت کا
بے نام دکھ
اپنی شناخت کے لیے
بے چین و بے قرار
اماوس کی کالی رات میں
چمکتی ہوئی بے زباں خامشی
کسی دستِ حنائی پر کنڈل مارے
اَنا سے دست و گریباں
مگر جب بھی خواہش کی بارش نے
دکھ سے حساب مانگا تو

بے چہرہ لفظوں نے سنگ ملامت سے
نفرت کی دیوار کو چن دیا تھا
مگر آسماں پر ایک ننّھا ستارا
کل کی آس میں ٹمٹمارہا تھا
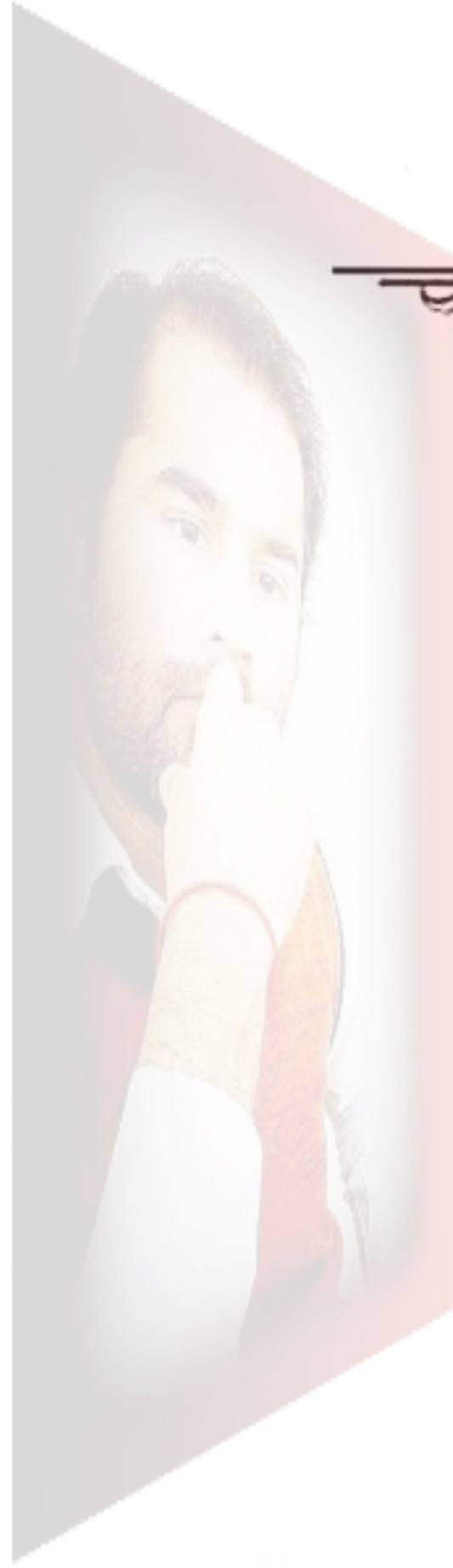
چھوٹا سا حصہ

آج میں یاد کی پٹاری کھولے بیٹھا

تو یاد آیا

کہ میں نے لکھا تھا آغاز نوجوانی میں

اپنے خالی صفحوں پر میں لکھنا چاہتا ہوں،

لکھتے لکھتے بولنا چاہتا ہوں

لیکن یہ میری تشنہ لبی

اور علم کی پیاس تو صدیوں میں

بھی بجھ نہیں پاتی

آج جو میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا

آج بھی ہاتھ میرے خالی ہیں

لیکن سوچ اور تجسّس

آج بھی میرا سرمایہ ہیں

آنے والے کل کو طاہر

میں نے اپنے لکھے لفظ دیے ہیں

اپنی سوچوں کی ایک جہت سے

دنیا کو اپنے اندر کی آنکھ سے

دیکھ کر لکھا ہے

آنے والے کل کے لیے یہ

میرا ''چھوٹا سا حصہ'' ہے

کنکریٹ مافیا

مارگلہ کے پہاڑوں پر
بے موسم کی برف نے
مجھے ایک بار پھر
ماضی کے دریچوں میں جھانکنے پر
مجبور کر دیا ہے
جب میری ملازمت کے دنوں میں
کسی ایک سرکاری اکٹھ میں
ایک نیک نام کو "نظرِ ملامت"
سہنی پڑی تھی
کسی نے کہا تھا کہ ہم

پھولوں اور پودوں کے جنگل کو
کنکریٹ کے جنگل میں کیوں
تبدیل کرتے پھر رہے ہیں
ایک دن آئے گا کہ جب
مئی جون میں اسلام آباد میں
مارگلہ کے پہاڑ برف کا لباس پہنیں گے
اور دسمبر میں پنکھے اور اے سی
آپ کی بے چین آتما سنواریں گے
کنکریٹ مافیا جیت گیا
نیک نام او ایس ڈی ہو گیا
اور مارگلہ کے دامن میں رہنے والے
برف سے پانی بنانے کی خاطر
غیر ملکی امداد کے منتظر ہیں

سنگِ خاموش

ہم سب جعلساز ہیں
ہم سب نے ملمّع کاری کی ہوئی ہے
ہمیں نہ تو گزری ہوئی کل کا احساس ہے
نہ ہی آنے والے کل کی فکر نے ہمارا کچھ بگاڑا ہے
ہم تو صرف اپنی جھوٹی اناؤں کی خاطر
اپنی مصنوعی آن شان کے لیے
آج زندہ ہیں
ہمیں معلوم نہیں
یا ہم خود یاد نہیں رکھنا چاہتے
کہ ایک دن حشر کا بھی ہے

اگر ہم اب بھی اپنے آپ کو
نہ پہچانے تو کون جانے
کل کو جب حشر ہو سبھی کا
تو اپنی اپنی کٹیا کو،
اپنے محل کو جانے کے سارے
"راستے"
ان کے انتظار میں
"سنگ خاموش" ہوں

آبِ حیات

میں زندہ باتیں کرنا چاہتا ہوں

مگر کس سے کروں

میں ایک مردہ معاشرے میں رہتا ہوں

میں زندگی کی لہروں کی باتیں کرنا چاہتا ہوں

فکر و فن کی مسافتوں کے

پیمبروں کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں

گزرے وقتوں کی

خوشبوؤں کے حصار سے نکل کر

آج کی کڑوی سچائیاں لکھنا چاہتا ہوں

جو ہمیں جہد بقا کا سبق دیں

وہ سبق جو روشنی کی علامت بنے

اپنی زہریلی باتوں پر حرف ملامت بنے

آنے والی ساعتوں کا

آبِ حیات ہو جو

تہی داماں

تشنگی کا شکار جسموں کو
ملبوس فنا دینے کا وقت؟
کون یہ فیصلہ کرے گا
مردہ سوچوں کے خوشنما کفن
ہماری آنکھوں میں موتیا اتارتے ہیں
ہمارے خوابوں میں
زندگی کے نحیف پیکر کا رقص بسمل
ایک نئی کہانی میں
ایک نیا موڑ بن گیا ہے
میرے پاس بیچنے کو

محض اب ''خواب'' بچے ہیں
مگر اک ہیولے نے
میری ساری ''کمائی''
دورِ خواہش کے جنگل میں
نذرِ آتش کر دی ہے
وہ بھی تہی داماں
اور میں بھی

لچر پن

میری انا کا یک حرفی ماتم
تجھے تیرے ماضی کی وہ اس خوش نما
شام سے آشنائی دے تو رہا ہے
مگر تو نے سوچا
کہ میری انا کے اداس لمحوں سے،
جب بھی تو نے خوشی کشید کی
تو بے حسی کے مردہ ضمیر لاشے
ایک نئی داستان لکھ کر
اپنے عہد کو تجسیم کر رہے تھے
یہ کیسی خوشی ہے جہاں

کہیں تازہ ہوا بھی نہیں ہے
مگر ہر ایک ساعت کے گل کدے میں
لچر پن سے بھرپور
ساری صدائیں
ساری ہوائیں
ہمارے ماحول کو
تعفّن زدہ بنانے کا گولڈ میڈل
جیتنے کے لیے
سر دھڑ کی بازی
لگائے ہوئے ہیں

جسدِ خاکی

فنا کے دکھی لہو کو
بقا کے نئے نویلے جسموں
میں زندگی کے ٹرانسپلانٹ کی خاطر
تہی مکینوں کو ایک نئی آزمائش سے گزارنا ہے
ہمارے اردگرد منافقت کی
روپہلی دلدل میں
ہوس کی پائل میں
لپٹی ہوئی بے صدا جھنکاروں
کا جسدِ خاکی
سیاہ کائی میں وحشت

کی دہشت سمیٹے ہوئے
پناہ گاہ امرت میں
اپنے ہونے کا اعلان کرتے
ہوئے نئی روشنی کا
امین منافق بنا ہوا ہے

کچوکے
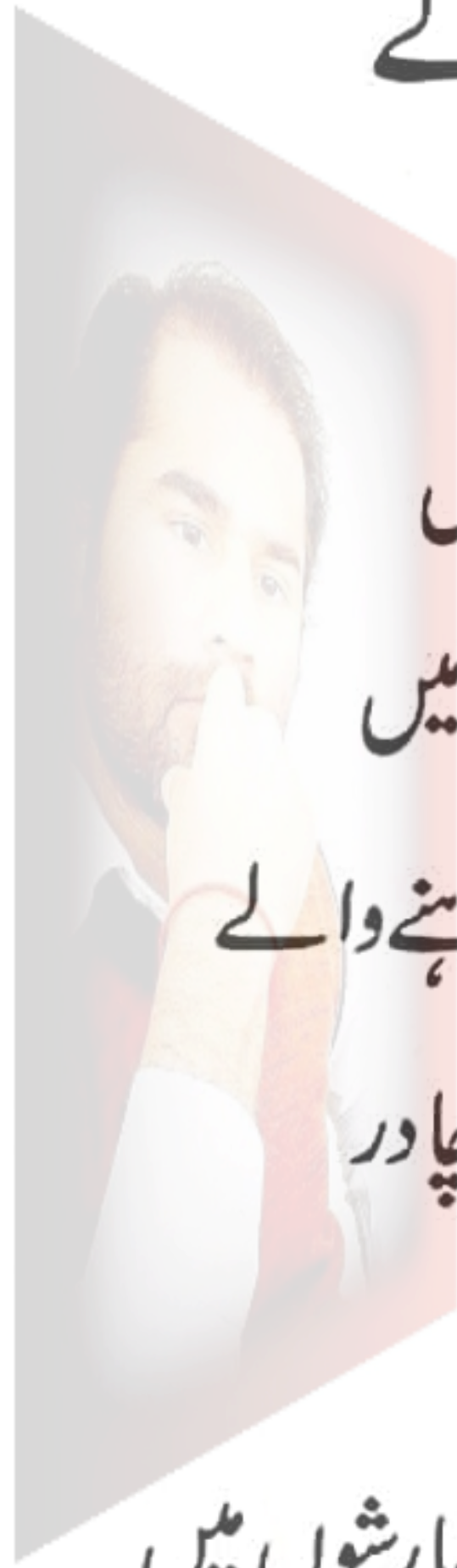
وراثتوں کی سیاہ خلیجوں میں
منافقت کے لباس ابیض میں
ملبوس پانچویں دنیا کے رہنے والے
قرمزی سپنے کی ست رنگی چادر
کی آڑ میں
اپنے "نہال" جسموں کی بارشوں میں
گزری ہوئی تیسری اور چوتھی دنیا
کی رفعتیں اپنے بوسیدہ خیموں میں
ڈھونڈتے ہیں
وقت کا دیوتا ان کو سزا کے طور پر

تیسری دنیا کا ایک دن
اور چوتھی دنیا کی ایک رات ''دان'' کر چکا ہے
لیکن یہی دن رات
ان کو بے بسی کے کچوکے لگاتے
زندگی سے ان کی
مسرتوں کا جواز چھین لیں گے

خالی آنگن

میری ساری دعائیں بے اثر ہیں
کہ میرے خواب کاتب تقدیر نے
جس تختی پر لکھ رکھے تھے
انہیں خودغرضی کا آکٹوپس
بحرِ مُردار میں اپنی سنہری کشتی میں
غرق کر آیا ہے
اور ساکن اور کبھی کبھار منہ زور
لہروں کے بل بوتے پر
وہ مجھ سے پچھلے جنم کا انتقام
لے رہا ہے جب

ان خوابوں کی سبز تعبیر کو
بے بسی کی زرد چادر نے
کنوارے خیالوں کے سرخ لہو
میں نئی زندگی عطا کی تھی
اب تو دعاؤں کے آنگن میں
کسی تمثیلِ جسم و جاں
کا گزر بھی نہیں

بے رحم لہر

میرے خدا نے
فیروزی دلدل میں
سُرمئی کائی کا اک مجسّمہ عطا کیا ہے
میری خوش ہیئت
سطحِ آب پر چلتی ہوئی زرد ہوا میں
ہچکولے کھاتے ہوئے
مجسّمے سے مکالمہ کرنے کی کوشش
میں اپنی پہچان کھو بیٹھی ہے
میری رگوں کا نیلا لہو
اور سُرمئی مجسّمہ روشنی اور آواز کے

تصادم کے ڈر سے
دبک کر اپنی بقا کی خاطر
دلدل میں پناہ ڈھونڈتے ہیں
مگر ایک بے رحم لہر نے
مرتعش ہو کر حیاتِ ابدی
سے محروم کر دیا ہے

امر نقش

سبزہ زارِ محبّت میں
اُمید اور آس
کے سب پرندوں کی اڑانیں
اس ایک نازنین
کی کشیدہ کاری میں ڈھل چکی تھیں
جنہیں وقت کے دیوتا نے
بطورِ سزا زمیں پر اُتارا ہوا ہے
نئے آسمانوں کی سرخی میں
جب اس نے اپنی ناتمام خواہش
کا قتل دیکھا تھا

تو اس کی مخروطی انگلی سے

بہتا ہوا وہی

نقش اپنے ہی آنچل پر

کاڑھ کر اسے

اَمر کر دیا تھا

موت کا منظر
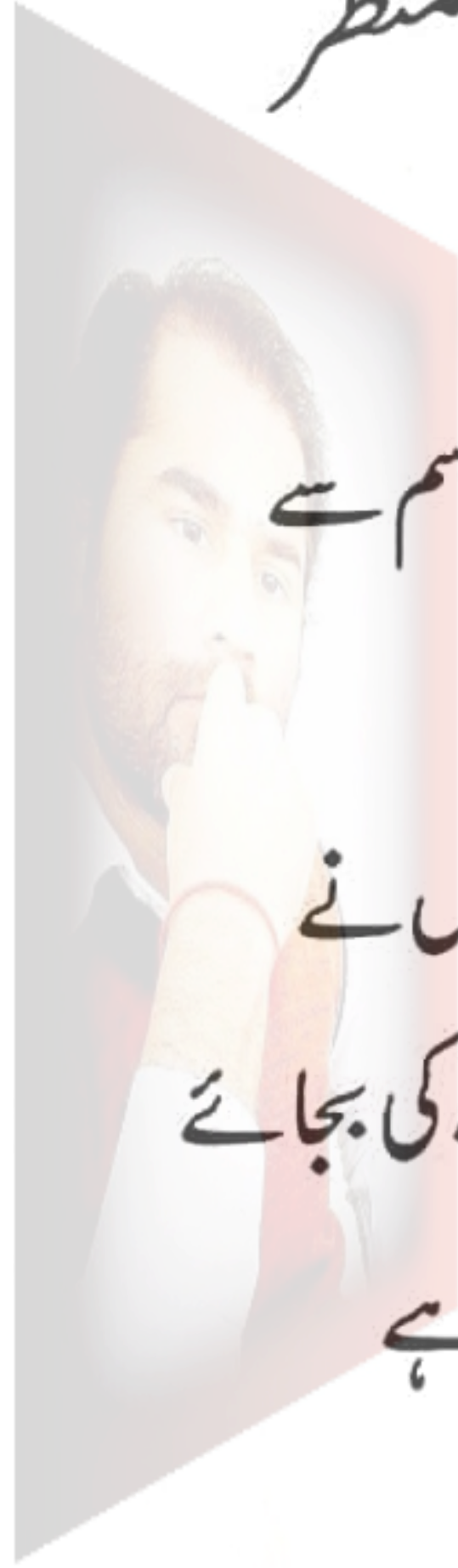
خاموشیاں اس کے زندہ جسم سے
لپٹ کر بین کرتی ہیں
مگر مصنوعی قہقہوں کی بارش نے
اس کے گناہوں کو دھونے کی بجائے
آتشِ نمرود کو جلا بخش دی ہے
یہ کیسا زمانہ آگیا ہے
جب برائی اور بدزبانی
آپ کی عظمت کی منہ بولتی
نشانی ہے
اور معاشرے کی تمام سیاہ کاریاں

رنگ و بو کی تمام جعلی روشنیوں
کے ہاتھوں جاہ وجلال کے
منصب پر عہدہ برا ہیں
مجھ سے پہلی نسلوں کے لوگوں کو
میری لمحہ لمحہ
موت کا منظر
کون دکھائے گا؟

خراجِ محبّت

ہم نے
اپنی تمام آنکھیں
محبّت سے بھری زبانیں
نئے زمانے کے پاس رکھ دیں
تو ہم کو تاریخ نے
پرسونا نان گراٹا(Persona Non Grata)
بنا دیا ہے
کہ پرانے زمانے کے تمام
دہقان آج بھی اسی زعم میں ہیں
کہ فصلیں اور اناج تو زمینی دیوتاؤں

کی دین ہے
مگران کوکوئی یہ کیسے کہے کہ

یہی دیوتا

ان سے سورج کی

پہلی کرن کے بوسے سے لے کر

شام کوڈیرے جاتے بیلوں کی

گردن میں بندھی گھنٹیوں کی آواز

چرا کر

نئے زمانے کے نئے ڈاکو

بن کر زمیں سے

ہماری محبّتوں کا خراج لے کر

فتح کا جھنڈا

اُٹھائے ہوئے ہیں
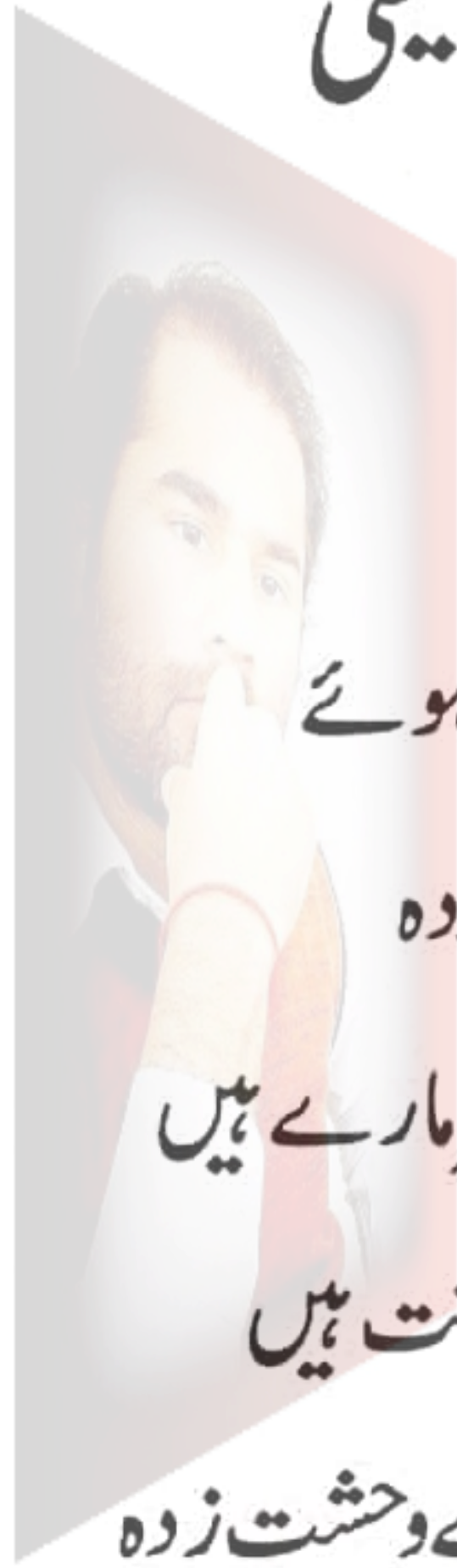
آدرشِ حقیقی

مشعل بردار جوانوں پر
گلی کوچوں سے گزرتے ہوئے
پرانے زمانے کے زخم خوردہ
باسیوں نے طنز کے جو تیر مارے ہیں
وہی تو ان کی زندگی کی ضمانت ہیں
وہ اپنی جوان سانسوں سے وحشت زدہ
ماحول کو ایک نئی زندگی سے
آشنائی کے مرحلے میں ہیں
مگر ہمارے کردار
ہمارے افکار میں

جو فرق ہے اس نے
ہم پر مایوسی کے اندھیرے مسلّط کیے ہیں
نئے زمانوں کے سارے وارث
اپنے اندر کی کالی گپھا سے
کب چھٹکارا پائیں گے
اِک نیا آدرشِ حقیقی بنا پائیں گے

آؤ سچ بولیں
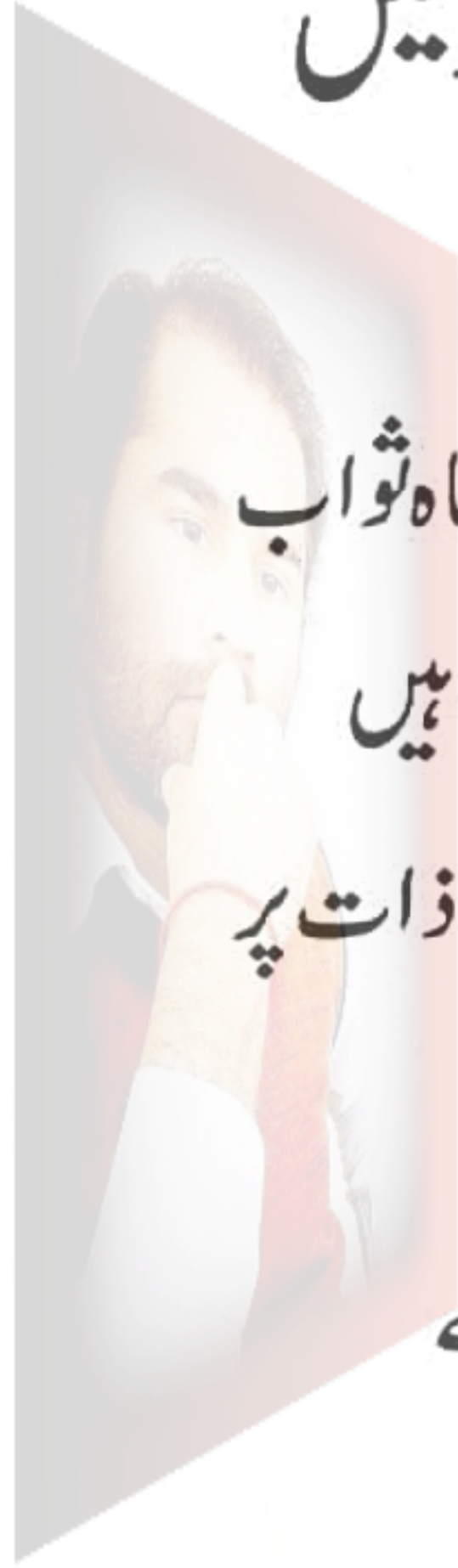
مگر اس سے پہلے اپنے گناہ ثواب
اس اک ترازو میں تولتے ہیں
جہاں زندگی لمحہ لمحہ آپ کی ذات پر
ہونے والی عنایات
اور آپ کی اپنے آپ سے
کذب بیانی کے درمیان
حدِ فاصل بنی ہوئی ہے
مگر سچ ایسے معاشرے میں
جہاں جھوٹ ایک قومی استعارہ ہے
پاور گیم کا

اپنی خود ساختہ انا کے

ہاتھوں یرغمال رہنے کا

مگر آنے والے کل میں

سب ہی کے سب ہوں گے

یرغمالِ خاک
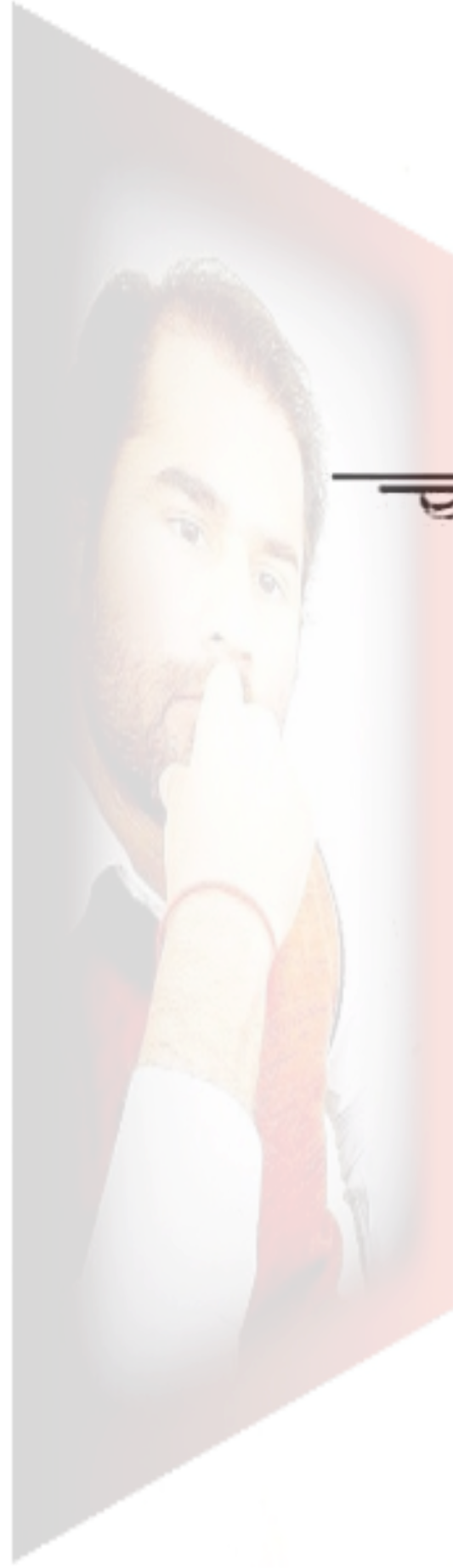
سوئمبر
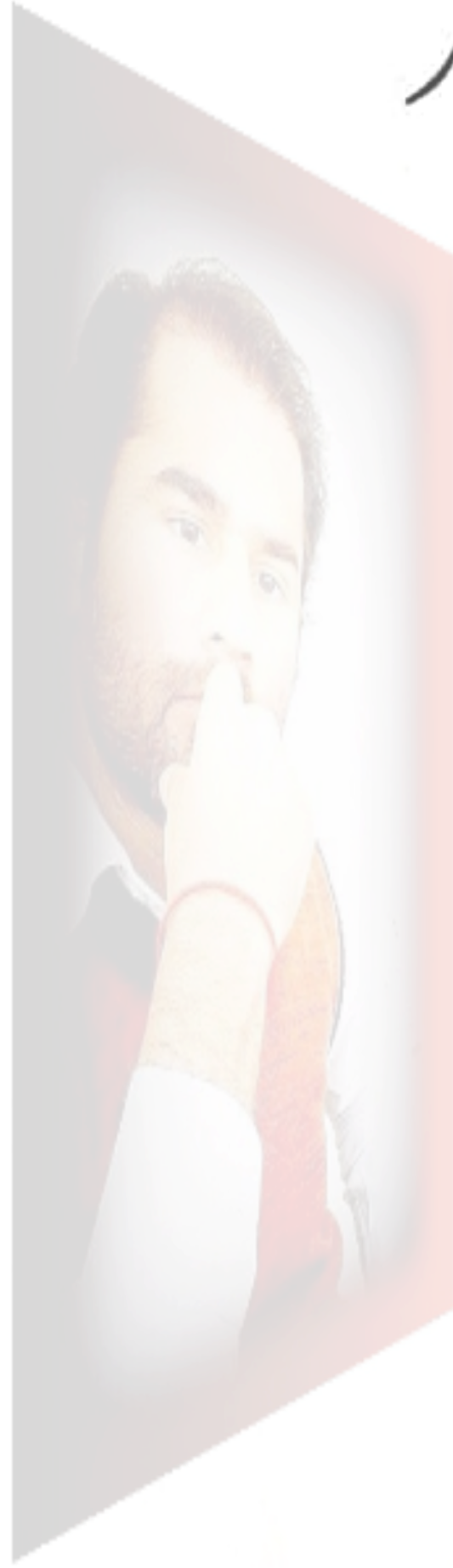
جب تک تمہیں میرے
مرنے کی خبر نہیں ملتی
تم یہی سمجھنا
کہ میں زندہ ہوں
کس حال میں ہوں
یہ تو کسی کو بھی معلوم نہیں
مگر میں اب تک مرا نہیں ہوں
میری گوشہ نشینی
میری زندہ لاش کی
وحشتوں کا

نیا نویلا

سوئمبر رچا کر

مارگلہ پہاڑی پہ

رقص کناں

شہر نارسا میں

امیدوں کی گونگی ہجرت

میں جلتی بجھتی

خانہ بدوش آنکھیں

مٹی کے بدن اور

میرے ہم زاد سے

آنکھ مچولی

کھیل رہی ہے

مقامِ شُکر۔۔۔

مدحت مالکِ ارض وسما کی۔

اس کی توفیقات پہ سربسجود خاک نشین جتنی مرتبہ بھی الحمدللہ کہے اور استغفار پڑھے کم ہے۔زندگی کی بے ثباتیاں کھلی آنکھوں سے نظرانداز کرتے ہوئے غروراور تکبّر کے مجسّموں کولمحوں میں ریزہ ریزہ ہونے کے لرزہ خیز مناظران گناہ گار آنکھوں نے بارہا دیکھے تو گڑگڑا کر ربِ ذوالجلال سے ہرمرتبہ یوں استدعا کی۔

حالات کی گردش کا ستایا ہوا اِک شخص
معبود، ترے در پہ جھکا ہے تو کرم کر

پلٹ کر دیکھا کہ حیات خاک نشین کے ساڑھے چھ عشروں نے کہاں کہاں کیا کیا برداشت کیا،کس کس موڑ پر خوشی اور غم ملے مگر سبحان تیری قدرت کوئی پچھتاوا،کوئی ندامت نہیں۔

اللہ سبحان تعالیٰ کی لامتناہی عنایتوں کے سائے میں عظیم والدین کی شاندار تعلیم و تربیت اور ہم نصابی سرگرمیوں کی مستقل حوصلہ افزائی جدوجہد کے کٹھن سفر میں ''دوستوں کی بچھائی ہوئی بارُودی سرنگوں'' سے بچنے کی کوشش میں ابتدائی ڈھال ثابت ہوئی۔ان تمام دوستوں کا خصوصی شکریہ تو بنتا ہے کہ جن کی ''صعوبتوں اوراذیتوں کے تحفوں میں گندھی ہوئی مسلسل محبّت'' ربِ ذوالجلال کی عطا کردہ ہمت اور حوصلے کے سبب بال بیکا نہ کرسکی اور ہر بارنئے مواقع نے مسرت اور شادمانی سے آشنائی بخشی۔

سونے پر سہاگہ کہ ریحانہ طاہر کی صورت نیک سیرت اور باحوصلہ خاتون

شریکِ حیات ملیں جو سرکاری ملازمت میں دو بار معطل ہونے کی خبر ٹی وی پر سن کر اظہارِ تشکر کے لیے مصلّے پر بیٹھ کر کہنے لگیں "الحمدللہ، فیملی ٹائم تو میسر آیا کہ برس ہا برس صرف اور صرف "نوکری" میں گزار دیئے" غیر معمولی حالات میں صبر و شکر کے سہارے "غم" سے "خوشی" کشید کرنے کا فارمولا آج بھی قصرِ ریحانہ کا موٹو ہے "کہ اگر خوشی کے لمحات کا اختتام ہو گیا ہے تو غم بھی ایک دن رخصت ہو جائے گا۔"

- 2021ء میری زندگی کا چھیاسٹھواں برس ہے جس کی مناسبت سے چوتھا شعری مجموعہ "یرغمالِ خاک" 66 اشعار، 66 غزلوں اور اتنی ہی غیر مطبوعہ نثری نظموں پر مشتمل ہے ابتدا جس کی نعت رسولِ مقبول ﷺ سے ہو رہی ہے۔

چھ عشروں کے چند قابلِ فخر لمحات نے ہمت، حوصلے، لگن اور محنت سے آگے بڑھنے کی لَو کو ہمیشہ مشعلِ راہ بنائے رکھا۔

- 1963ء میں 8 برس کی عمر میں ریڈیو پاکستان راولپنڈی کے بچوں کے پروگرام میں علامہ اقبال کی نظم لائیو سنانے پر ایک روپے کا سکہ، پہلی "کمائی"
- 1964ء میں 9 برس کی عمر میں پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے عوامی جمہوریہ چین کے وزیراعظم چو ائین لائی سے راولپنڈی میں مصافحہ۔
- قومی اسمبلی کی 32 سالہ ملازمت کے دورانِ وطن عزیز میں ادارہ جاتی پارلیمانی تربیت کے لیے مستقل ادارے کے قیام کے لیے دیکھے گئے اپنے خواب کی تعبیر امریکی امداد سے تعمیر والے ادارے پاکستان انسٹی ٹیوٹ فار پارلیمنٹری سٹڈیز (PIPS) کی صورت میں اور اس پراجیکٹ کی تکمیل میں پارلیمانی رابطہ کار کی حیثیت سے کلیدی کردار۔
- ریٹائرمنٹ کے فوراً بعد قصرِ ریحانہ ڈی ایچ اے 2 میں اپنی چھت تلے گزاری پہلی شب۔

دُکھ تو ساری حیاتی ساتھ رہے گا کہ جب اپنی چھت میسر آئی تو وہاں دعا کے لیے اُٹھنے والے ہاتھوں میں نہ تو میرے والدین اور نہ ہی کنجِ اماں کا خواب دیکھنے والی جنت مکانی کے ہاتھ تھے۔

خاک نشین کی زندگی کے نشیب و فراز پر مبنی برس ہا برس کے ارتقائی سفر میں جن بزرگوں دوستوں کرم فرماؤں کی رہنمائی دست شفقت اور شانہ بشانہ ساتھ رہا ان میں شامل ہیں ریڈیو پاکستان راولپنڈی کے بچوں کے بھائی جان استاد المکرّم مضطر اکبر آبادی، سی بی ٹیکنیکل ہائی سکول لالکرتی کے اُردو اور انگریزی کے اساتذہ کرام محترم سید فاروق اعظم اور جناب غلام رسول، اُستادانِ گرامی قدر محترم ماجد الباقری، ڈاکٹر رشید نثار، ڈاکٹر سرور کامران، ڈاکٹر رشید امجد، پروفیسر فتح محمد ملک، پروفیسر انور مسعود، پروفیسر احسان اکبر، جناب خاقان خاور، سید سعود ساحر، جناب فخر عالم نعمانی، سید سلمان المعظمؔ قادری، بزرگانِ ادب جناب احمد ندیم قاسمی، ڈاکٹر وزیر آغا، محترم صہبا لکھنوی، جناب احمد فراز، جناب اطہر نفیس، جناب شفیع عقیل، جناب اکرام الحق شیخ، سیّد سبطِ حسن، محترمہ سعیدہ گزدر، جناب سجاد میر، جناب محمود شام، جناب منصور سہیل، جناب عطا الحق قاسمی، جناب صفدر ہمدانی، جناب شعیب بن عزیز، جناب مقسط ندیم، جناب جنید اقبال، جناب انوار فیروز، جناب نصرت جاوید، جناب جاوید صدیق، جناب ایم اے نیازی، جناب اشتیاق احمد خان، جناب افتخار اللہ بابر، سیکرٹری خارجہ جناب سہیل محمود، جناب شہزاد اکبر، جناب ہمایوں خان، جناب نسیم الظفر برنی، جناب ناصر علی سیّد، ڈاکٹر جنید آزر، جناب امتیاز الحق امتیاز، جناب ستار جاوید، جناب شہاب ظفر، جناب مشتاق سہیل، جناب سلمان صدیقی، جناب راشد نور، جناب مقصود یوسفی، جناب فاضل جمیلی، جناب علاؤالدین خانزادہ، جناب اشتیاق حسین اندرابی، جناب ناظم بخاری، محترمہ نصرت حارث، محترمہ روبینہ سعادت قائم خانی، محترمہ لبنیٰ مقبول، جناب فاروق عادل، جناب ایوب ناصر، محترمہ رضوانہ مشتاق، محترمہ حمیرا بٹ، پروفیسر سبین یونس، کرنل مظہر رسول چشتی، جناب خاور گھمن، جناب اعزاز آصف اور جناب جمال ناصر عثمانی۔

امریکہ میں نیویارک سے چودھری اسلم چیچی، راجہ رزاق، جناب واصف حسین واصف، جناب شجاعت علی خان، جناب محسن ظہیر، جناب سرور چودھری، جناب اسد چودھری، ڈاکٹر محمد اسلم قریشی، راجہ ضمیر احمد، محترمہ فریدہ خان مہر، ڈاکٹر محمد شفیق اور جناب طاہر خان، نیوجرسی

سے جناب عارف افضال عثمانی، سید کاظم رضا نقوی، محترمہ راحیلہ فردوس اور محترمہ نصرت سہیل، واشنگٹن میں جناب جاوید کوثر، جناب انور اقبال، سفیر پاکستان ڈاکٹر اسد مجید خان، جناب اسد حسن، جناب جمال خان، محترمہ بہجّت جیلانی، جناب شبیر جیلانی، محترمہ نصیرا اعظم، جناب خالد حمید بیگ، جناب اکمل علیمی، جناب رضی احمد رضوی، جناب جہاں زیب علی، جناب واجد علی سید، ڈاکٹر منظور اعجاز اور جناب اکبر چودھری، شکاگو میں انکل نیاز احمد، آنٹی نسیمہ نیاز احمد، جناب نوید احمد، جناب نوید انور، پروفیسر مسرور قریشی، جناب جمال صدیقی، جناب سلمان آفتاب، جناب شوکت چودھری، جناب انجم عزیز اور جناب جاوید راٹھور، اوہائیو میں محترمہ شاہین شیخ، ڈاکٹر ہمایوں چغتائی، جناب ہیثم چغتائی، میامی فلوریڈا میں جناب تسنیم اختر خان، محترمہ جبیں خان، محترمہ نگہت نصیر اور جناب اختر محمود، سان فرانسسکو میں چوہدری یعقوب، جناب ندیم انجم، ملک یونس اعوان، خواجہ محمد اشرف اور جناب تاشی ظہیر، ہیوسٹن سے جناب باسط جلیلی، محترمہ ترنم شبیر، سید احمد، جناب جنید علی خان، نارتھ کیرولینا میں ہائی پوائنٹ سے جناب نعمان شیخ اور محترمہ مریم نعمان، شارلٹ سے خالد چودھری، نقاش حسن چودھری اور سمیر چودھری، بالٹی مور میری لینڈ میں جناب احمد رانا، ڈاکٹر ساجدہ ذوالفقار اور جناب عرفان یعقوب، بوسٹن سے سید عادل عزیز، برطانیہ میں لندن سے ڈاکٹر ثمر نفیس، جناب فرید حسین اور سیّد شرف الدین، برمنگھم سے محترمہ فرحانہ قمر اور جناب قمر حسین رشید اور سٹوک ان آن ٹرینٹ سے جناب شفقت نذیر اور جناب خورشید ہاشمی منیلا فلپائین میں جناب سعد پراچہ، ٹورانٹو کینیڈا سے جناب محمد ندیم، بینا فاؤنڈیشن کی محترمہ مسرت مصطفیٰ بخاری، جناب حماد صدیقی، ابوظہبی متحدہ عرب امارات میں سفیر پاکستان جناب افضال مرزا، منسک بیلارس میں سفیر پاکستان جناب سجاد حیدر خان، برسلز بلجیم سے راجہ جاوید آف غازی گوڑا، جناب عظیم ڈار اور سنگاپور سے محمد نعمان شاہد۔

زمانۂ طالب علمی کے احبابِ دیرینہ میں سردار مسعود خان (صدر آزاد جموں و کشمیر)، ٹورانٹو کینیڈا سے جناب جمیل قمر، واشنگٹن سے جناب مسعود احمد غوری، محترمہ نورین طلعت عروبہ

اور جناب شاہد بٹ، ڈیلاس ٹیکساس میں ڈاکٹر قیصر عباس اور ان کی اہلیہ ڈاکٹر صالحہ سلیمان، سڈنی آسٹریلیا میں محترمہ کوثر جمال، اوسلو ناروے سے محترمہ رابعہ سیماب روحی، مانچسٹر برطانیہ سے جناب نصراللہ صنم اور انور جمال فاروقی، دوحہ قطر سے قاضی محمد اصغر اور جناب عزیزالبحر قریشی، راولپنڈی اسلام آباد کے جڑواں شہروں سے سیّد ضمیر نفیس، جناب صدیق فنکار، جناب خاور اعجاز، سید جاوید علی، جناب شرف الدین مصلح محترمہ محمودہ غازیہ، جناب داؤد کیف، جناب شاہد مسعود، جناب شاہد ملک، جناب اشرف چنگیزی، محترمہ فرزانہ رحمان فری، محترمہ انور سلطانہ ملک، ڈاکٹر بشریٰ خار، جناب خالد صدیقی، جناب علی اصغر ثمر، جناب فروغ آفتاب زیدی، جناب سہیل پرواز، جناب طاہر پرواز، جناب کوکب جمیل ہاشمی، جناب حسن عباس رضا، جناب ریاض احمد راج، جناب نسیم الظفر، جناب شعیب خالق اور جناب ارشد احمد بٹ، گوجرانوالہ کے جناب ر۔ح۔ رفاقت، پشاور سے جناب یوسف عزیز زاہد اور جناب جاوید اختر راہی کا ادبی سفر کے مختلف مراحل میں ساتھ نصف صدی سے زائد عرصہ میں ایک سنہری یاد کی طرح جسم و جاں میں رچا بسا ہوا ہے۔

برسوں کے سجن جناب رحمت علی رازی کے ذکرِ خیر کے بغیر ادبی سفر کی کہانی نامکمل رہے گی جنہوں نے 2014ء میں اولین شعری مجموعے اور میرے اخباری اور ویڈیو کالم کے نام "شہرِ نارسا" اور "شہرِ نارسا سے" تجویز کیے۔

Special word of thanks to my American legendary anchor friend Rita Cosby in Newyork and Dr MMT Hirst (CT) for help to select name of second book Goongi Hijrat in 2019 and third one Khana Badoosh Ankhain in 2020 respectively.

"پرغمالِ خاک" کے ٹائٹل، کلام کے انتخاب اور مسودے کی فائنل پروف ریڈنگ کے لیے ٹورانٹو کینیڈا سے محترمہ نسرین سیّد، محترمہ قدسیہ ظہور، بہو بیگم فرزانہ جبران، میرے ہمسائے جناب رؤف احمد اور پروفیسر عمارہ رؤف کا خصوصی شکریہ۔

اس کتاب کو احباب تک پہنچانے کے بہت سے صبر آزما مراحل میں حوصلہ بڑھانے کے لیے میرے دونوں صاحبزادوں جناب جبران بن طاہر اور جناب ندال بن طاہر، برادر جناب

عمران حنفی، جناب عبید علی خان، جناب عنزہ حیات، جناب مختار احمد بھٹّی، جناب غضنفر بھٹّی، جناب محمد ایوب بھٹّی، جناب سعد بھٹّی اور جناب افضل عسکری شانہ بشانہ رہے اور ہمارے خاندان سے جناب اختر منیر اختر، مسز شاہینہ ارشد، مسز حمیرا قیصر، مسز نیلم طارق، مسز فرزانہ عمران، ڈاکٹر شاہینہ ایوب بھٹّی، مسز روبینہ مختار، مسز ثمینہ، مسز ناہید بھٹّی، جناب حماد حنفی، محترمہ فرخ برلاس اور جناب صغیر برلاس کی دعائیں بھی شامل رہیں۔

خصوصی شکریہ سرحد پار سے جنوبی ایشیاء کے مایہ ناز شاعر ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی کا جنہوں نے ایک بار پھر کمال محبّت سے 'یرغمالِ خاک' کی آمد پر خصوصی طور سے فلیپ منظوم کیا۔

''یرغمالِ خاک'' پر تنقیدی آراء کے لیے پاکستان سے اردو شاعری اور تنقید میں دو معروف قلمکاروں ڈاکٹر محمد افتخار الحق اور جناب خاور اعجاز کا ممنون ہوں۔

جب بھی 66 واں جنم دن آئے گا تو اس پر دعائیں دینے کے لیے ہمدمِ دیرینہ جناب جبار مرزا کی شریکِ حیات محترمہ شائستہ جبار اور ہم سب کی پیاری رانی بھابھی نہ ہوں گی میری خواہش پر اپنے گھر میں میاں بیوی نے 65 ویں سالگرہ کا اہتمام کیا تھا۔ ناسازیِ طبع کے باوجود شاندار میزبانی سے 26 نومبر کو یادگار بنانے کا شکریہ۔

شعری مجموعے کے ناشر جناب محمد عابد کو میرے شعری مجموعوں کی ہیٹ ٹرک کرنے پر ہدیۂ تبریک وہ ذاتی محنت، بھرپور توجہ اور لگن سے ''گونگی ہجرت''، ''خانہ بدوش آنکھیں'' اور ''یرغمالِ خاک'' کو خوبصورت، جاذبِ نظر بنانے اور آپ تک پہنچانے میں سو فیصد کامیاب ہوئے ہیں۔ آپ تمام احباب کی بصارتوں کی نذر ''یرغمالِ خاک'' ایک بار پھر خداوند بزرگ و برتر کی ودیعت کردہ عنایات کا شکر ادا کرتے ہوئے۔

۱۴ راگست ۲۰۲۱ء

طاہر حنفی
قصرِ ریحانہ
ہاؤس 24، سٹریٹ 20، سیکٹر J
ڈیفینس ہاؤسنگ اتھارٹی فیز 2، اسلام آباد

افلاک سے کوئی تو صدا دے کے پوچھتا
کیسی گزر رہی ہے سُنا، یرغمالِ خاک

طاہر حنفی

Misaal Publishers
misaal.publishers
+92-300-6668284
misaalpb@gmail.com